قد افلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربہٖ فصلّیٰ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

مئی سنہ 96ء

ماہنامہ

المرشد

لاہور

تصوف کیا نہیں؟

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے۔ نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے۔ نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے۔ نہ قبروں پر سجدہ کرنے ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے۔ نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباعِ سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوفِ اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔ (دلائل السلوک)

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

اداریہ

اسلام اپنے پہلو میں بے شمار حسن اور لازوال کرنیں رکھتا ہے۔ ہر حسن کی ادا نرالی اور ہر کرن کی رنگت اپنی ہے مگر سب کی اصل ایک ہی ذات ہے اور وہ ذات عظیم ہے ذات رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسلام نے انسان کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے۔ اس کا پروگرام ترتیب پایا اللہ کریم کی طرف سے مگر انسانیت تک پہنچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے۔ سب سے پہلے اللہ کا اس کی ذات و صفات کا عقیدہ انسانیت کو ملا۔ ایک طویل تاریکی اور دور فترت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے۔ اللہ کی خوشنودی کن باتوں میں ہے اور نارضامندی کن میں کیسے پتہ چلا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے۔ انسان کی اصل کیا ہے۔ یہ کب سے ہے کب تک رہے گا۔ بدن اور روح کا رشتہ کیا ہے' روح کہاں سے آئی' بدن کیسے بنا' ان کا ان کے عقیدے کا' ان کے اعمال کا اثر بدن پر کیا پڑتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے روح پر کیا پڑتا ہے۔ دنیا میں کیا اثر' آخرت میں کیا نتیجہ ہو گا۔ یہ سب کیسے پتہ چلا فرشتے' آخرت' جنت' دوزخ اور یہ تمام غیبی حقیقتیں کس ذریعہ سے عیاں ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے مرنا جینا' دوستی دشمنی' کاروبار' سیاست' حکومت' ملازمت شاہی اور فقیری' جنگ اور صلح کے آداب کا پتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے۔ حتی کہ بندوں کو اللہ سے ہم سخن کر دیا اور وہ جرات رندانہ بخشی کہ باوجود بندہ ہونے کے انہوں نے اللہ سے محبت کی اور ایسی کہ اللہ کو ٹوٹ کر چاہا نہ صرف محاورے کے اعتبار سے بلکہ واقعی گھر چھوڑے' جائیدادیں چھوڑیں' دوست احباب نچھاور کئے' اولادیں چھوڑیں حتی کہ اعضائے بدن اللہ کی راہ میں کٹا کر غبار راہ میں شامل ہو گئے۔ واقعی اسے کہتے ہیں ٹوٹ کر چاہنا۔ یہ چند پہلو بطور نمونہ صرف آپ کو متوجہ کرنے کے لئے عرض کر دیئے ورنہ ذات پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا انمول ہیرا ہے جس کا جوڑا اور دوسرا کاریگر نے بنایا ہی نہیں۔ ہر دل کے لئے اس کا ایک پہلو موجود ہے اربوں مسلمان گزر چکے اور نہ جانے کتنے آئیں گے مگر رنگ اور ہو سکتا ہے' شکل' قد کاٹھ بولی کا فرق ہو سکتا ہے۔ محبوب کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا جس کا دل چیر کر دیکھو لکھا ہے میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کمال محبوب ہے کہ اتنے دلوں کو شکار کیا۔ محبت کرنے والے کا کیا کمال اس کی تو مجبوری ہے۔ یہ ان کا کمال ہے۔ ان کی ذات ان کی صفات ہر شے حسین تر ہے۔ اسی عظیم ہستی کو فداہ امی وابی مشرکین مکہ نے ہجرت پر مجبور کیا۔ مکہ سے نکالا' بدر و احد میں ٹکر لی' حدیبیہ پہ روکا' خندق پہ حملہ آور ہوئے مگر چشم فلک نے دیکھا کہ آخر ایک روز یہ در یتیم صلی اللہ علیہ وسلم بہ حیثیت فاتح مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو نہ صرف بتوں سے پاک کیا بلکہ رسومات کافرانہ' مشرکانہ اور جاہلانہ سے بھی پاک فرمایا اور اللہ کا پسندیدہ طریقہ حج و عمرہ کا جاری فرمایا۔ دو ان سلی چادریں مردوں کے لئے اور عورت کے لئے لباس کے اوپر احرام یعنی کفن پوش' دنیا سے کٹ کر دیوانہ وار بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے' حجر اسود کو بوسہ دے یا اشارہ کرکے چوم لے یہ طواف مکمل ہو گیا۔ مقام ابراہیم پہ دوگانہ ادا کر کے ان برکات میں سے حصہ لے جو تعمیر کعبہ سے متعلق ہیں۔ زمزم پئے تو بے تابی اسماعیل علیہ السلام پالے' سعی کرے تو ایثار و قربانی حضرت حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی حیثیت کے مطابق مستفید ہو' منیٰ اور عرفات میں جائے تو جدوجہد آدم علیہ السلام سے لے کر استقامت نوح علیہ السلام تک اور تب سے ذبح اسماعیل علیہ السلام تک مختلف برکات سے بہرہ ور ہوتا ہوا اپنے رب کے حضور سرخرو ہو جائے۔ یہ سب انعام کیسے نصیب ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اور پھر وہ سال بھی آیا جب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج فرمایا۔ یہی حجتہ الوداع کہلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے بغرض حج پہلی اور آخری بار تشریف لائے۔ طواف' سعی' منیٰ اور یوم عرفہ یوم جمعہ بھی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری اور الوداعی حج بھی۔ بعد عصر جبل رحمت کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے اور دست بدعا تھے کہ لوگوں سے فرمایا! لوگو کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ سب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار انگلی مبارک اٹھائی اور نیچے اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ **اللھم اشھد**۔ اے اللہ گواہ رہنا اور فرمایا جو حاضر ہیں وہ میری بات ان تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں اور یہ تقریباً" ڈیڑھ لاکھ یا ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا مجمع تھا۔ اللہ نے دین کے مکمل اور نعمت کے تمام ہونے کی نوید سنائی اور یہ حج' حج اکبر کہلایا۔ اس کے اسی روز بعد سردار انبیاء ہادی دو جہاں محبوب کائنات و رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے ظاہری طور پر وصال فرمایا۔ پھر وہ یادیں تازہ کرنے کے دن ہیں' پھر وہی میدان ہے وہی امت ہے وہی نبوت ہے' وہی احکام ہیں اور لباس تک وہی ہے۔ ہاں جذبے شاید کچھ بدل رہے ہیں۔ جذبوں میں شاید وہ تپش نہیں رہی۔ دل سوز سے خالی اور کیفیات سے ناآشنا سے ہو رہے ہیں۔ اے کاش ہمیں اللہ ولولہ تازہ دے' جذب صادق دے طلب صادق اور خلوص بخشے اور وہ درد دے جو دلوں کو گرما دے جو جذبوں کو جان عطا کر دے اور ہم صرف رسومات ادا کر کے فارغ نہ ہو جائیں بلکہ واقعی اس روز کی برکات' ہماری سوچ اور ہمارے عمل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا جذبہ سمو دے۔ آمین۔

فقیر محمد اکرم عفی عنہ

محبت کس لئے؟

مولانا محمد اکرم اعوان

اللہ جل شانہ نے بعثت آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت بڑا انعام جو عالم انسانیت پر فرمایا۔ وہ دین اسلام جو سلامتی کا، محبت کا اور امن کا دین ہے جس نے انسانیت کو سکون آشنا کیا۔ جس سے انسانیت کو یہ شعور بخشا کہ واقعی محبت کسے کہتے ہیں۔ بنی آدم نے اپنی اغراض کا نام اپنی خواہشات اور ان کی تکمیل کا نام اپنے مفادات اور اس کے تحفظ کا نام محبت رکھ چھوڑا تھا۔ لوگوں کو لوگوں سے اپنے مفادات کا تعلق تھا اور جہاں حصول مفادات کسی رشتے سے ممکن نہ تھا وہاں زور زبردستی کار فرما تھی حتی کہ رشتوں کی اہمیت ختم ہو گئی اور صرف زور زبردستی باقی رہ گئی۔ دنیا کا حال یہ تھا کہ ہر بندہ دوسرے بندے کا دشمن تھا اپنے مفادات چھیننے کے لئے دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے دوسرے سے چھین کر اپنے کام میں لانے کے لئے پوری عالم انسانیت میں لڑائی جنگ و جدل فساد چھینا جھپٹی کا عالم تھا۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت نے انسانوں کو معرفت الٰہی کے ساتھ آپس کی محبت بھی عطا فرمائی اور قرآن حکیم اس عہد کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات نے اللہ کے احسانات نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور اللہ کے انعام کے طفیل تم بھائی بھائی ہو گئے حال یہ تھا۔ کہ تم دوزخ کے کناروں پہ زندگی بسر کر رہے تھے بنی آدم کے اور دوزخ کے درمیان صرف انسانی زندگی کا فاصلہ تھا جس کی زندگی ختم ہوتی تھی وہ دوزخ کا ایندھن بنتا تھا۔ رحمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت پروردگار نے انعامات الٰہی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم لوگوں کو وہاں سے اچک لیا اور یوں تاریخ انسانی کا دھارا تبدیل ہوا۔ پستیوں میں گرنے والا عظمتوں کی طرف رواں ہوا اور عالم انسانیت محبت کی لذت سے آشنا ہوا۔ ایک معبود کے ساتھ ایک کتاب، اور ایک معبود کے ساتھ ایک بیت اللہ مرکز عبادات اور ایک معبود کے ساتھ ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری انسانیت کو عطا ہوا جو محروم رہے اس نعمت سے وہ محروم رہے ان کی ساری تاریخ چھینا جھپٹی اور جنگ و جدل سے عبارت ہے تب بھی اور اب بھی کسی بھی کافر معاشرے میں سکون نام کی شے کو تلاش کرنا کار عبث ہے یہ ممکن نہیں کہ وہاں مل سکے محبت نام کی چیز غیر مسلم معاشرے میں ڈھونڈنا ممکن نہیں کہ اس کا کوئی نشان پایا جا سکے یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن آج اگر ہم اپنا جائزہ لیں عالم اسلام کو دیکھیں مسلمانوں کو دیکھیں وطن عزیز کو دیکھیں اور اپنی قوم کو

دیکھیں تو حالات وہی نقشہ پیش کر رہے ہیں جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت سے پہلے کا تھا۔ اگرچہ ہمیں دعوی ایمان بھی ہے بحمد للہ اور یہ بات بھی ہے کہ مساجد بھی نمازیوں سے بھری رہتی ہیں یہ بھی درست ہے کہ لوگ حج کرتے ہیں تسبیحات پڑھتے ہیں تبلیغ کرتے ہیں لیکن جب انسانوں کے تعلقات انسانوں کے ساتھ دیکھے جائیں تو ہمیں سوائے شرمندگی اور ندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ عالم کفر میں تو محبت کا نہ ملنا ایک بات ہے لیکن عالم اسلام ان محبتوں سے کیوں خالی ہو گیا عجیب بات ہے حرمین شریفین کی حاضری ایک ایسی عجیب نعمت ہے کہ اللہ کریم نے بشرط استطاعت زندگی میں ایک بار حج فرض کیا ہے یعنی کسی کو استطاعت سفر ہو تو زندگی میں اس کا وہاں ایک بار حاضر ہونا اس کی پوری زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے کافی ہے۔

افضل ترین عبادت ہے نماز یہ دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے اس لئے نہیں کہ اللہ کریم نے ہماری نمازوں سے کوئی گودام بھرنے ہیں نماز بندے کی اللہ کے حضور حاضری ایک طرح سے اللہ جل شانہ سے قوت حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ بندہ علی الصبح اٹھ کر اللہ کے حضور حاضر ہو کر اس سے قوت کار طلب کرتا ہے استقامت علی الحق طلب کرتا ہے راست بازی اور حق پر رہنے کی توفیق طلب کرتا ہے اور اس قوت کو لے کر اپنے دن کا آغاز کرتا ہے اور شام تک متعدد بار یعنی ہر فرض نماز کے وقت اسی غرض سے حاضر ہوتا ہے ظہر کا مطلب یہ ہے کہ اب تک اگر کوئی کوتاہی ہو گئی ہے تو اس کی تلافی ہو جائے اس اللہ کریم سے اسکی بخشش کی طلب کروں اور بعد کے لئے نئی قوت طلب کر کے پھر سے میدان عمل میں جاؤں جہاں نفس بھی ہے شیطان بھی ہے عالم کفر بھی ہے ابلیس طاقتیں بھی ہیں دنیا کے فسادات اور بے شمار مصائب ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے از سر نو تازہ دم ہو کر میدان میں اترا جائے اس طرح عصر و مغرب ہے عشاء ہے کہ دن بھر کے خاتمے پر دن بھر کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی مغفرت طلب کی جائے اور سونے کے لئے عافیت طلب کی جائے پھر سے تازہ دم اٹھنے کی طاقت طلب کی جائے اور یہ ضروری ہے کہ بندے کو چونکہ ہر لمحے ایک نئی مہم درپیش ہوتی ہے۔ ہر آن اسے اللہ کی مدد کی ضرورت ہے ہر آن اسے اللہ سے تجدید عہد کی ضرورت ہے ہر حال ہر لمحے اسے اپنے نفس اور شیطان سے مقابلہ درپیش ہے اور یہی مقابلہ چونکہ زندگی بھر درپیش ہے تو پھر روزانہ کا حج یا ہر سال کا حج یا ہر دو سال بعد حج فرض کر دیا جاتا لیکن زندگی میں ایک بار بشرط استطاعت فرض کیا گیا شاید حج پر حاضری سے اتنی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ باقی ساری زندگی شیطان کا طاغوت کا باطل کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ایک وجہ یقیناً" یہ بھی ہو گی زندگی میں حج کے ایک بار فرض ہونے کی کہ حرمین کی ایک حاضری مومن کو اتنی قوت اتنی انرجی اتنی طاقت اتنی رحمت اتنی تائید باری اتنا تعلق اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عطا کر دیتی ہے کہ باقی زندگی وہ باطل کا کافر کا ظلم کا ناانصافی کا ناحق کا شیطانی طاقتوں کا شیطانی وساوس کا مقابلہ کر سکے۔

لیکن دکھ اس بات پہ ہوتا ہے کہ آج ہم میں ساری صلاحیتوں کا فقدان ہوتا جا رہا ہے ہماری نمازیں ہمیں وہ قوت نہیں دیتیں کہ ہم مسجد سے باہر جا کر بھی حق و انصاف کی بات کر سکیں ہماری نمازیں ہمیں وہ قوت نہیں دیتیں کہ ہم مسجد سے باہر برائی سے اپنے آپ کو بچا سکیں ہماری نمازیں ہمیں وہ قوت نہیں دیتیں کہ ہم مسجد سے باہر جا کر ظلم اگر روک نہیں سکتے تو کم از کم ظلم کرنے والوں میں شامل نہ ہو جائیں اسی طرح آج کی ہماری حرمین کی حاضری اور ہمارے حج بھی ان ثمرات سے خالی ہیں۔ کم و بیش نصف صدی ہو گئی ہے وطن عزیز کو بنے اور آج کل تو بہت ہی زیادہ لیکن شروع سے ہی لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہر سال حج کے لئے جاتے ہیں اور آج کل تو میرے خیال میں اگر ہر دوسرا بندہ نہیں تو ہر تیسرا بندہ ضرور حاجی کہلاتا ہے اگر

صرف ان لوگوں کی اصلاح ہو گئی ہوتی جو حاجی ہیں تو بھی اکثریت کی اصلاح ہو چکی ہوتی لیکن دیکھنے میں آتا ہے کہ دل محبتوں سے خالی ہیں معاشرہ تعلقات سے محروم ہے گلے کٹ رہے ہیں قتل ہو رہے ہیں فسادات ہو رہے ہیں معمولی معمولی سے اختلافات پر سینے گولیوں سے چھلنی کر دیئے جاتے ہیں کہیں نظریات کا تصادم ہے کہیں عقائد کا اختلاف ہے کہیں سیاسیات کا اختلاف ہے کہیں مفادات کا ٹکراؤ ہے کہیں ذاتی انانیت کا دیو بنا ہوا کھڑا ہے کہ میں تکڑا ہوں اور میں تکڑا ہوں میں بڑا آدمی ہوں اور یوں وطن عزیز کی گلیاں روزانہ اہل وطن کے خون سے رنگین ہوئی جاتی ہیں کتنی عجیب بات ہے کہ مادر وطن کے فرزند وطن ہی کی گلیوں کو اہل وطن ہی کے خون سے روزانہ رنگین کرتے ہیں۔ اب اس کے ساتھ دعوی اسلام بھی ہے خود کو مسلمان کہلانے کا دعوی بھی ہے اللہ پر ایمان کا دعوی بھی ہے ایک ہی کتاب کو ماننے کا دعوی بھی ہے اور ایک ہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رشتہ ایمان جوڑنے کا دعوی بھی ہے ایک ہی بیت اللہ کو مرکز تسلیم کرنے کا دعوی بھی ہے کس بات پہ یقین کیا جائے دعوے اور الفاظ تب تک کوئی حیثیت نہیں رکھتے جب تک عمل ان کا ساتھ نہ دے ہر دعوے کو صداقت کے لئے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے کوئی بھی دعوی جو کیا جائے اس کو سچ ثابت کرنے کے لئے گواہ ہوتے ہیں اور دعوی ایمان کے گواہ انسان کے اعمال ہوتے ہیں جب وہ ایمان کا دعوی کرتا ہے تو اس کا عمل یہ ظاہر کرتاہے کہ اپنے دعوے میں وہ کس حد تک سچا ہے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم اپنے دعوی ایمان میں کس حد تک سچے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ انسانوں میں اختلافات نہیں ہوں گے یا نہیں ہونے چاہئیں یہ ممکن نہیں ہے اس لئے ممکن نہیں ہے کہ ہر انسان کی استعداد الگ ہے فکری بھی شعوری بھی علمی بھی عقلی بھی ایک ہی بات کو ہر انسان اپنی عقل اپنی شعور اپنی فہم کے مطابق تسلیم کرے گا یا اس کی توجیہہ کرے گا اس اعتبار سے تھوڑا تھوڑا فاصلہ ضرور رہ جائے گا لیکن وہ فاصلہ ایسا نہیں ہو گا کہ اصولوں کا انکار کیا جائے اصول پہ کسی کو انکار نہیں ہو گا اور اول کا انکار تو اختلاف ہوتاہے۔ اگر اصول کا انکار نہ کیا جائے تو فروعات میں جو اختلاف ہوتا ہے وہ اس قدر شدید نہیں ہوتا کہ وہ دشمنی بن جائے پھر اسلام میں وہ وسعت نظر ہے وہ وسعت ظرف ہے کہ اسلام نے خود کو کسی پر مسلط نہیں کیا اگر کسی آدمی کو بنوک شمشیر کلمہ پڑھایا بھی جائے تو اسلام اسے قبول نہیں کرتا جب تک وہ اپنے دل سے اپنی رائے سے اپنی پسند سے فیصلہ کر کے اقرار نہ کرے۔

اسلام نے آزادی دی ہے کفار کو بھی اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے کی انسانی حقوق سارے کفار کو بھی دیئے ہیں ان کی جان مالی آبرو کو حرام قرار دیاہے۔ اسلام نے اس کی حفاظت اسلامی ریاست میں مسلمانوں پر اور اسلامی ریاست پر واجب کی ہے تو اگر کافر کو بھی اتنے حقوق دیتا ہے اسلام تو مسلمان اسلام کے نام پر مسلمانوں کو زندہ رہنے کا حق دینے کو کیوں تیار نہیں اور عجیب تر لوگ وہ ہیں جو خدا کے نام پر یا جو مذہب کے نام پر قتل و غارت گری کرتے ہیں وہ بڑے ہی عجیب لوگ ہیں یہ جو نام زندگی عطا کرتا ہے جو حوالہ کافروں کو بھی امن اور سلامتی اور انصاف مہیا کرتا ہے جو حوالہ پوری دنیا کے لئے باعث رحمت ہے اس حوالے سے مسلمانوں کو قتل کرنا یا انسانوں کو قتل کرنا کہاں کا انصاف ہے اورعجیب بات ہے سیاسی اختلاف اپنی جگہ پر ہمیں بھی لوگوں سے ہیں اور بہت سے لوگوں کو ہمارے ساتھ بھی ہیں اور یہ ہمیشہ رہیں گے۔ عقیدے کے اختلاف بھی اپنی جگہ پر ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم جو عقیدہ چاہیں وہ رکھیں اور اگر ہمیں حق حاصل ہے تو دوسروں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ انہیں بھی اللہ کے حضور جواب دینا ہے جو حق ہم اپنے لئے رکھتے ہیں وہ حق دوسرے کو بھی ہمیں دینا چاہئے اگر مجھے اور آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ ہم اپنا عقیدہ اپنی پسند کے مطابق رکھیں تو پھر دوسروں کو بھی یہ حق ملنا چاہئے۔ ہمیں یہ حق نہیں

ہے جو یہ سلامتی کائنات میں بانٹے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی برکات دوسروں تک پہنچائے ظلم کو روکنے کی سعی کرے اور دوسرے اللہ سے بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ کی یاد سے محروم بندوں کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور بندوں کو ان کی بارگاہ میں لانے کا سبب بنے۔ اگر کسی نے اپنے لئے جنت کا اہتمام کر بھی لیا ہے تو اللہ اسے مبارک کرے لیکن شبہ اس بات پہ رہ جاتا ہے کہ اتنے خود غرض انسانوں کو شاید جنت نصیب بھی ہو یا نہ ہو یعنی پوری قوم کو فساد میں مبتلا چھوڑ کر ساروں کے گھر جلتے ہوئے چھوڑ کر جو صرف اپنا گھر بچانا چاہے شاید ایسے خود غرض کی عبادات اللہ کریم قبول بھی فرمائیں یا نہ فرمائیں چونکہ یہ کوئی دیانت دارانہ عمل نہیں ہے یہ کوئی دیانت دارانہ سوچ نہیں ہے کہ میں تو جنت میں پہنچ جاؤں باقی جائیں بھاڑ میں ایسی بات نہیں ہے۔

آپ دیکھیں جنت ہم تو طلب کرتے ہیں لیکن نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات وہ ہے جو جنت بانٹتے ہیں کتنا فاصلہ ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے ساری کائنات کا ہر فرد طالب ہے طلب گار ہے مانگ رہا ہے اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم فرما رہا ہے جنت بانٹنے والا اللہ کے ایک ایک بندے کے پیچھے پاپیادہ چل کر تشریف لے جاتا ہے ایک ایک بندے کو شرک سے کفر سے فساد سے روکنے کے لئے تشریف لے جاتا ہے اس کوشش میں رات دن تکلیفیں اٹھاتے ہیں طعنے برداشت کرتے ہیں ایذا برداشت کرتے ہیں حتی کہ میدان جہاد میں اترنا پڑتا ہے دندان مبارک شہید کراتے ہیں ہجرتیں کرتے ہیں اپنے خدام شہید کرواتے ہیں رخسار اطہر زخمی کرواتے ہیں کیا کیا صدمے ہیں جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے برداشت نہ فرمائے کس لئے دوسروں کی سلامتی کے لئے اللہ کی مخلوق کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانے کے لئے تو آج اکیلے جنت کی بکنگ کرا لینا آج کہاں کا اسلام بن جائے گا ایک بندہ' ایک جماعت' دس لوگ' پچاس لوگ' پانچ لاکھ لوگ جنت میں چلے جائیں اور باقی دنیا بھاڑ میں جائے یہ اسلام نہیں ہے۔ دوسروں کو جنت میں پہنچانے کی کوشش کرنے والے شاید دوسروں سے پہلے اللہ انہیں جنت میں پہنچا دے اور دوسروں کو دھکا دے کر داخل ہونے والے شاید وہاں کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکیں ہمیں اپنے ان سب اعمال پہ غور کرنا ہو گا آج ہمیں دین کی بات کرتے ہوئے شرم آتی ہے آج ہمیں دعوت اخوت و محبت دیتے ہوئے ڈر لگتا ہے لوگوں کی ناراضگی کا لوگوں کے طعنوں کا لوگوں کی باتوں کا لیکن کون سا طعنہ کون سی ایسی بات ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ کہی گئی کون سی ایسی ایذا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں نہیں لائی گئی کیا عجیب بات نہیں ہے۔

کہ بت تو بیت اللہ میں رہ سکیں کافر اور مشرک اپنا نجس وجود لے کر بیت اللہ میں جا سکیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شہر مقدس ہی سے ہجرت پر مجبور کر دیا جائے کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔ ہم بھی بیٹیوں کے باپ ہیں ہمیں اپنی بیٹیاں کتنی عزیز ہیں ہمیں اپنی بیٹیوں کا نام ان کی عزت ان کا احترام کتنا عزیز ہے شاید جان سے زیادہ کہ ہم جان دے دیں گے لیکن اس پر حرف نہ آنے دیں گے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹیاں عزیز نہ تھیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی بیٹیاں جن کی عزت و عظمت پہ قرآن گواہ ہے جن کی عزت و عظمت طہارت اور عفت کی خاندان نبوی کی شہادت قرآن حکیم نے دی ہے کیا ہم نہیں جانتے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دو بچیوں کی شادی ابولہب کے دو بیٹوں سے ہو چکی تھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اس لئے طلاق دے دی گئی رخصتی سے پہلے کہ آپ یہ قرآن کی اور اسلام کی بات کیوں کرتی ہیں۔

کیا کیا گزری ہو گی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے دل پر اور کیا ہم میں یہ جرات ہے کہ حق بات کہنے کے لئے یا ظلم روکنے کے لئے یا دین کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اس طرح سوچ سکتے ہیں اتنی جرات ہے ہم میں۔ نہیں ہے۔

تو پھر کیا مسلمانی کیا مسلمانی کا دعوی۔ کیا فائدہ پھر ہماری حرمین کی حاضریوں کا کس کام کے ہمارے حج اور عمرے کس لئے ایسے لوگ کیسے جنت میں داخل ہوں گے۔

ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے یہ بہانہ ہے کچھ نہ کرنے کا ہم اپنے لئے اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کے لئے حصول رزق کے لئے اپنی باتیں منوانے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے اپنی بات منوانے کے لئے ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پہنچانے کے لئے بھی ہم کچھ نہیں کر سکتے تو پھر کیا دیانت داری ہے اسلام کے ساتھ۔ کم از کم ہم اپنے آپ کو تو ان برائیوں میں اس ظلم میں شریک ہونے سے روک سکتے ہیں اگر ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تو اپنی ذات کو اس ظلم کا حصہ بننے سے تو روک سکتے ہیں اس ظالمانہ سماج کا اور اس ظالمانہ نظام کا اس نظام میں کسی کی آبرو محفوظ نہیں ہے کسی کی جان محفوظ نہیں ہے کسی کا دین محفوظ نہیں ہے اور یہ مجبور و بے بس نظام کھڑا ہوا اس کا تماشہ دیکھ رہا ہے ہر ملک ہر قوم ہر فرد اپنے مزاج اپنے نظریئے کے مطابق زندہ رہنا چاہتا ہے اور اس کے ہر فرد کو اللہ نے حق دیا ہے مومن کو اور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنا نظام اپنے نظریئے اپنے عقیدے اور اپنے ایمان کے مطابق ڈھالے اپنے اس نظام کے مطابق زندہ رہے جو اسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا ہے۔ اگر ہم پورے ملک کے نظام کی بات نہیں کر سکتے تو اپنی ذات تک تو ہم کر سکتے ہیں یار کیسے مسلمان ہیں ہم۔ ہر بندہ چند لاکھ روپے بنک میں رکھ دیتا ہے سارا سال سود بیٹھ کر کھاتا ہے اور تسبیح پہ تسبیح پھیرے جا رہا ہے کیا یہ مسلمانی ہے۔ تسبیح ہاتھ میں ہے تبلیغ پر جا رہے ہیں بھائی ذریعہ معاش کیا ہے وہ پیسے رکھے ہوئے ہیں بنک میں وہاں سے ہر مہینے آ جاتے ہیں سود کھا کر کون سی تبلیغ ہے سود کھا کر کون سی تسبیحات ہیں سود خور کی کون سی عبادت ہے اور کون ہے جو اس کا انکار کرے سارے کھائے جا رہے ہیں مزے سے اسی پیسے پہ حج بھی ہو جاتا ہے پھر کیا حرمین کی حاضری سے کیا برکات نصیب ہوں کہ جب اس میں سود شامل ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک شخص دور دراز کا سفر کر کے آئے گا حرم میں اس کے کپڑے غبار آلود ہوں گے بال پریشان ہوں گے جوتے پھٹے ہوں گے اور بڑے درد سے چلا رہا ہو گا۔ اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک لیکن اس کی لبیک کا جواب اللہ کی بارگاہ سے نہیں آئے گا اللہ اس کی پرواہ نہیں کرے گا عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں؟ فرمایا اس کا کھانا حرام ہو گا اس کا لباس حرام ہو گا زاد سفر اس کے پاس حرام ہو گا اور حرام کھانے حرام لباس سے عبادات قبول نہیں ہوتیں۔ گوشت کا جو ٹکڑا رزق حرام سے بنتا ہے حرام رزق سے وجود کی جو نس جو ریشہ گوشت کا جو ٹکڑا بنتا ہے فرمایا النار اولی بہ اس کے لئے دوزخ کی آگ ہی سزاوار ہے کم از کم اپنے آپ کو ہم سود کھانے سے سود کی لعنت سے تو بچائیں مزدوری کر لیں تھوڑا کھا لیں روکھی سوکھی کھا لیں لیکن سود سے تو بچیں یہ تو وہ حرام ہے کہ جہاں یہ جاتا ہے وہاں ایمان کی رمق باقی نہیں رہنے دیتا بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ ایک ایک کر کے ہم اپنے کردار کا اگر جائزہ لیں اپنی عبادات کو دیکھیں اپنے معاملات کو دیکھیں میں سمجھتا ہوں بڑی ہمت ہے کہ ہم کم از کم اپنے اس ایک وجود کو تو اسلام کے مطابق ڈھال سکیں اس پر تو اسلام نافذ کر سکیں۔

اور یاد رکھئے کہ ہم جو نفاذ اسلام کی باتیں کرتے ہیں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بے دینوں کے ہاتھوں دین نافذ ہونے سے رہا یہ ممکن نہیں ہے کہ جو خود بے دین ہوں وہ نفاذ دین کا فریضہ سر انجام دے جائیں یہ ممکن نہیں ہے دین نافذ ہو گا تو ان لوگوں کے ہاتھوں ہو گا جو خود دیندار ہوں گے اور انشاء اللہ العزیز دین ضرور نافذ ہو گا یہ الگ بات ہے کہ اللہ یہ سعادت کس کو دیتا ہے یا ہمیں بھی یہ توفیق

ملتی ہے کہ ہم اپنے آپ پر دین نافذ کر لیں خود کو دیندار ثابت کریں خود کو دیندار بنائیں شاید اللہ ہمیں یہ سعادت دے دے کہ ہم دین نافذ کرنے والے کاروان میں شامل ہو سکیں اللہ کا دین ہمارے لئے زندگی بھی ہے اللہ ہمیں اس پر موت بھی نصیب فرمائے یہی منزل و آرزو بھی ہے کہ ہمیں میدان حشر میں بھی اللہ دین ہی پر زندہ کرے یہ نعمت ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا اور یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کسی کا کوئی خوف نہیں ہے اور یہ کسی کی دوستی یا کسی کی دشمنی کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے ساتھ تعلق اور ایمان کے لئے ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی غلامی پر ثابت قدم رہنے کے لئے ہے اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے ہمیں نفرتوں کی بجائے محبتیں عطا کرے محبتیں بانٹنے والا بنائے فسادات اور قتل و غارت کے جرائم سے اور عذاب سے پناہ عطا فرمائیے ملک کو قوم کو سلامتی عطا فرمائے اور عالم اسلام کو اپنی رحمت سے نوازے مسلمانوں کا مددگار معاون ہو اور تمام مسلمانوں کو ہدایت پہ جمع فرمائے۔

—— (حدیث ابو موسیٰ و معاذ بن جبل ﷺ) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہُوا اس وقت اشعریوں میں سے دو شخص میرے ہمراہ تھے ایک میری دائیں جانب اور دوسرا بائیں طرف اور نبی کریم ﷺ مسواک کر رہے تھے' ان دونوں نے آپؐ سے (عہدہ) طلب کیا تو آپؐ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے ابو موسیٰ! یا اے عبداللہ بن قیس! (تم کیا کہتے ہو؟) حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: قسم اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا! ان دونوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ ان کے دل میں کیا ہے اور مجھے ہرگز محسوس نہ ہوا تھا کہ یہ دونوں عہدہ طلب کرنے کی درخواست کریں گے حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں گویا اس وقت بھی آپؐ کی مسواک کو دیکھ رہا ہوں جو آپؐ کے ہونٹوں میں دبی ہُوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ہم اس شخص کو جو عہدے کا طلب گار ہو، کام اور عہدے کی ذمہ داریاں سپرد نہیں کرتے لیکن' اے ابو موسیٰؓ! (یا آپؐ نے فرمایا تھا) اے عبداللہؓ بن قیس! تم یمن کی طرف (حاکم بن کر) جاؤ۔ پھر آپؐ نے ان کے پیچھے حضرت معاذؓ بن جبل کو روانہ کیا۔ جب حضرت معاذؓ حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس (یمن) پہنچے تو حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت معاذؓ کے لیے ایک گدا بچھا دیا اور کہا کہ اترو! اس وقت حضرت معاذؓ نے آپ کے پاس ایک آدمی کو بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابو موسیٰؓ نے بتایا: یہ شخص پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہو گیا تھا بعد ازاں دوبارہ یہودی ہو گیا (یہ بتا کر) حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا: بیٹھ جائیے! حضرت معاذؓ کہنے لگے: میں اس وقت تک ہرگز نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اللہ اور رسولؐ اللہ کے فیصلے کے مطابق اس شخص کو قتل نہیں کر دیا جاتا۔ یہ بات آپ نے تین بار کہی۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ نے حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا، پھر انھوں نے ایک دوسرے سے قیام اللیل کے بارے میں گفتگو شروع کی۔ ایک نے کہا کہ میں تورات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ مجھے نیند کا بھی ویسا ہی ثواب ملیگا جیسا کہ قیام اللیل اور شب بیداری کا۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۸۸ استتابۃ المرتدین باب ۲ حکم المرتد والمرتدہ

کیا اسلام میں تصوّف کی گنجائش ہے؟

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ تصوف کی حقیقت معلوم کی جائے۔ جب اسلام سے تصوف کا تعلق زیر بحث آ رہا ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام ایک دین کا نام ہے اور دین بھی وہ جو خالق کائنات کا پسندیدہ دین ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے **ان الدین عند اللہ الاسلام۔** اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور دین نام ہے ضابطہ حیات کا۔ اور حیات کے دو پہلو ہیں۔ نظریہ اور عمل یا یوں کہیے تھیوری اور پریکٹیکل ------

سوال یہ ہے کہ یہ ضابطہ حیات اللہ کریم نے اپنے بندوں تک کیسے پہنچایا؟ جواب یہ ہے کہ اپنے بندوں کے ذریعے بندوں تک پہنچایا مگر وہ بندے ایسے برگزیدہ اور منتخب بندے تھے جن کو رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے یہ ان کا اصطلاحی نام ہے ان کو نبی بھی کہتے ہیں۔ اللہ کا دین اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا منصب نبوت یا رسالت کہلاتا ہے۔ اس منصب کے تقاضے پورا کرنے کے لیے جو نصاب مقرر ہوا ہے اس کا نام فرائض نبوت ہے۔

قرآن کریم نے فرائض نبوت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۳ : ۱۶۴)

اس آیت میں فرائض نبوت ایک فطری ترتیب سے بیان ہوئے ہیں۔ پہلا فرض تلاوت آیات دوسرا تزکیہ۔ تیسرا تعلیم کتاب اور چوتھا تعلیم حکمت۔

اس ترتیب میں ایک اہم اور دقیق نکتہ پایا جاتا ہے وہ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک دعا کی تھی جس کا ذکر (۲ : ۱۲۹) میں یوں آتا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲ : ۱۲۹)

حضرت ابراہیمؑ نے رسول کے فرائض کی ترتیب یہ رکھی کہ پہلا فرض تلاوت آیات دوسرا تعلیم کتاب تیسرا تعلیم حکمت اور چوتھا تزکیہ۔ مگر آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ تو حکیم ہے۔ تو اللہ کریم نے اپنی حکمت کا اظہار یوں فرمایا کہ فرائض نبوت کی ترتیب میں اصلاح فرما دی اور تزکیہ کو تعلیم کتاب سے پہلے رکھ دیا گویا یہ حکمت بتا دی کہ تزکیہ کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت کا ماحصل دین اور ہدایت نہیں ہو گی اور سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اس کا ثبوت ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے کتنے مستشرقین ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کی تفسیر و شرح میں کمال کر دیا مگر نہ دین

نصیب ہوا نہ ہدایت کیونکہ الٰہی ترتیب کو پس پشت ڈالا۔ اور تزکیہ کے بغیر ادبی، علمی اور فلسفیانہ موشگافوں میں عمریں صرف کر دیں۔ پیٹر دی ویز بیل، سیل، اڈویل، پامر، نولڈیکے، پکتھال اور رچرڈ بیل وغیرہ کے علمی کام سے کون انکار کر سکتا ہے۔

نبی کی ذات وہ جامع کمالات ذات تھی جس میں یہ سارے فرائض پورے کرنے کی پوری پوری صلاحیت تھی۔ اور ایسا ہونا چاہیے مگر بعد میں ان فرائض کی ادائیگی کا اہتمام اللہ الکریم نے یوں کیا۔ کہ امت میں سے جس اہل علم و دانش میں جس خاص فن کی صلاحیت رکھی اسے اس خاص شعبہ دین کی خدمت میں لگا دیا۔ جب ہر ماہر فن نے اپنے فن کے ناطے سے دین کی علمی یا عملی خدمت کی اس فن کے لیے خاص اصطلاحی نام وضع کیا گیا۔ چنانچہ پہلے فریضہ تلاوت آیات کو تجوید اور قرات کا نام دیا گیا۔ تعلیم کتاب و حکمت کے تین شعبے بن گئے اور ہر شعبہ کا ایک اصطلاحی نام اس کی شناخت بن گیا۔ قرآن کریم کی تفہیم کا فن تفسیر کہلایا۔ قرآن کریم کی نبوی تفسیر کے فن کی خدمت کو حدیث اور ان دونوں کی روشنی میں نئے نئے مسائل کا حل تلاش کرنے کے فن کو فقہ کا نام دیا گیا۔ اور تزکیہ کے فن کا نام تصوف رکھا۔ اور ان فنون کے ماہرین مفسر محدث، فقیہہ اور صوفی کہلائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں تصوف کی گنجائش ڈھونڈنے والے بیچارے نہ اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں۔ نہ تصوف کی حقیت سے۔ کیونکہ تصوف تو دین کا وہ اہم شعبہ ہے کہ تلاوت آیات یعنی تھیوری کے بعد متصل تزکیہ کا ذکر ہے یعنی تصوف ہی تو عملی زندگی کی ابتدا ہے۔

یوں تو فرائض نبوت کی ترتیب ہی سے تزکیہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے مگر قرآن کریم نے تو اس کی اہمیت ایک اور پہلو سے اس انداز سے بیان کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تزکیہ نہیں تو کچھ بھی نہیں فرمایا۔ **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى**۔ یعنی فلاح کا دار و مدار ہی تزکیہ پر ہے۔ کوئی کتنا بڑا عالم ہو، مفکر ہو، فلاسفر ہو کچھ ہو اگر تزکیہ نہیں تو وہ کچھ بھی نہیں۔

قرآن کریم جس شعبہ دین کو تزکیہ کہتا ہے حدیث میں اس کا نام احسان ہے ارشاد ہے۔ کہ ایک روز اجنبی سائل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ صحابہ پاس بیٹھے تھے اس نے حضورؐ کے گھٹنوں سے گھٹنے ملائے ادب سے بیٹھا اور پوچھا (ا) ایمان کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر فرشتوں پر، اللہ کے رسولوں پر اللہ کی کتابوں پر اور آخرت پر دل سے یقین رکھے۔

(۲) اسلام کیا ہے فرمایا اقرار شہادتین نماز روزہ حج اور زکوۃ ادا کرے

(۳) احسان کیا ہے؟ فرمایا تو اللہ کی عبادت یوں کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔

آگے لمبی حدیث ہے۔ جب وہ چلا گیا تو صحابہ نے پوچھا یہ کون تھا؟ فرمایا یہ جبریل تھا تمہیں دین سکھانے آیا تھا۔

حضورؐ اکرم نے اس جواب سے ظاہر ہے کہ دین کے تین شعبے ہیں۔ ایمان، اسلام اور احسان، یعنی عقائد عبادات اور تزکیہ۔ جس کو حدیث میں احسان کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تزکیہ یا احسان دین اسلام کا ایک تہائی حصہ ہے۔ اور یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ تزکیہ کے شعبہ نے جب مستقل فن کی صورت اختیار کی تو اس کا اصطلاحی نام تصوف ہوا۔ جیسے تفسیر حدیث اور فقہ کے شعبوں میں ہوا۔ اب اگر کوئی یہ کہہ دے کہ اسلام میں تفسیر حدیث فقہ کی کیا کوئی گنجائش ہے۔ تو کوئی اسے کیسے سمجھائے کیونکہ سوئے ہوئے کو تو جگایا جا سکتا ہے جاگتے کو کون جگائے۔

دنیا بھر میں ایک اصول ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ فن کی بات ماہر فن سے پوچھو۔ جو وہ بتائے اس پر اعتماد کرو۔ اس عالمگیر اصول کے ماتحت ہم ماہرین فن تصوف سے اس کی حقیقت پوچھتے ہیں اہل فن کے نزدیک

تصوف کی تعریف یہ ہے

هُوَ عِلْمٌ تُعْرَفُ بِهِ اَحْوَالُ تَزْكِيَتِهِ النُّفُوْسِ وَتَصْفِيَتِهِ الْاَخْلَاقِ وَ تَعْمِيْرِ الْبَاطِنِ وَالظَّاهِرِ لِنَيْلِ السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّتِهِ

اور تصوف کا ماحصل کیا ہے۔

وَيَحْصَلُ بِهِ اِصْلَاحُ النَّفْسِ وَالْمَعْرِفَتِهِ وَرِضَاءُ الرَّبِّ اور تصوف کا موضوع کیا ہے۔

وَمَوْضُوعُهٗ ' التَّزْكِيَةُ وَالتَّعْمِيْرُ الْمُنْكُوْرَاتُ وَ غَايَتُهٗ نَيْلُ السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ اب دیکھئے کہ تصوف کی اسلام میں گنجائش ہے یا تصوف اسلام کی روح ہے۔ اسلام قبول کرتے ہی عملی زندگی میں اسلام کو اپنانے کی ابتدا بھی تصوف ہے اور انتہا بھی تصوف ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اسی ترتیب سے فرائض نبوت ادا کیے۔ سوال واقعی نہایت اہم ہے مگر جواب بھی بڑا واضح ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا فرض ہے **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ** تو اس فرض کی ادائیگی کی صورت یہ تھی کہ جونہی کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوئی نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم صحابہ کو سناتے اور کاتبان وحی صحابہ اسے تحریر میں لا کر محفوظ کر لیتے۔

دوسرا فرض تزکیہ تھا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس ترتیب کو لازماً محفوظ رکھتے وہ یوں کہ جب کسی "آدمی کو اللہ کی آیات پہنچائیں اور اسلام کی دعوت دیں اور اس آدمی نے اللہ کی آیات پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ تو وہ "آدمی" اسی وقت "انسان" بن گیا۔ انسان کا مادہ "ا ن س" ہے اس کا ایمان لانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے اپنے خالق سے انس ہو گیا اور اس پر محسن انسانیت سے انس ہو گیا جس نے خالق سے آشنا کیا۔ لہٰذا وہ انسان بن گیا۔ آدمی اور انسان میں جو فرق ہے مولانا روم نے ایک شعر میں خوب واضح کر دیا ہے فرماتے ہیں

گر بصورت آدمی انساں بدے
احمدؐ و بوجہل خود یکساں پھرے

جونہی وہ انسان بنا نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک نگاہ اس پر پڑی۔ وہ "انسان کامل" بن گیا۔ جس کا اصطلاحی نام صحابی رضی اللہ عنہ ہے یعنی وہ صحابی رضی اللہ عنہ بن گیا۔ صحابی دراصل انسان کامل کا اصطلاحی نام ہے۔ اور انسان کامل سے مراد وہ انسان ہے جس کا تزکیہ اس درجے کا ٹھہرا کہ اس سے اوپر تزکیہ کا درجہ صرف نبی کا حصہ ہے غیر نبی کے لیے تزکیہ کا آخری درجہ وہ ہے جو صحابی کو حاصل ہو گیا۔ صحابی بن گیا کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے دل میں اللہ و رسول کی محبت گھر کر گئی اور سچ پوچھئے تو اسلام محبت ہی کا اصطلاحی نام ہے سچ کہا اقبال نے کہ

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین تبکدۂ تصورات

ایک مادہ پرست اور ظاہربین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آن کی آن میں ایک نگاہ پڑتے ہی تزکیہ کیسے ہو گیا؟ اتنا بڑا انقلاب کیونکر آگیا؟

بات آسان سی ہے کہ جو آدمی کسی فن سے واقف نہ ہو اس کے لیے اس فن کی مبادیات بھی ایک عجوبہ ہوتی ہیں اور اگر وہ نادان کے علاوہ احمق بھی ہو تو فوراً انکار کر دیتا ہے۔ اس سوال میں کچھ اسی قسم کی صورت نظر آتی ہے۔ لیکن اس کا جواب مادیات کی دنیا میں ہی موجود ہے۔

سائنس کے شعبہ فزکس میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے Magnatism اس میں بتایا گیا ہے کہ لوہے کے ایک ٹکڑے میں برقی رو گزاریئے ایک سیکنڈ میں مقناطیس بن جائے گا یعنی اس کے باطن کے ذرات میں وہ قوت پیدا ہو جائے گی اپنے ہم جنس لوہے کو اپنی طرف جذب کرے گا دیکھ لیجئے فزکس سے معمولی واقفیت رکھنے والا آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی طرح رحمتہ للعالمین کے آفتاب کی ایک شعاع جب اس آدمی پر پڑی جو ایمان لا کر انسان بن چکا تھا تو یہ برقی رو اس کے نہانخانہ دل تک اتر گئی اور دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیا دل بدلا تو

سارے اعضاء کا عمل بدلا سب کا رخ وہ ہو گیا جو دل کا تھا۔ اور ایسا بدلا کہ اس انسان کامل میں مقناطیسیت پیدا ہو گئی اور وہ اس قابل ہو گیا کہ اپنے ہم جنس انسانوں کو اپنے رب اور محبوب رب کے قدموں میں کھینچ لایا۔

یہاں پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نرا دعوی ہے یا اس کی کوئی دلیل بھی ہے جواب یہ ہے کہ دلیل ہے اور ایسی کہ اس کا رد کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہاں "آدمی" نہ مانے تو اور بات ہے۔

دلیل نمبرا نگاہ مصطفوی سے ہر انسان کامل نے اتنا کچھ لیا جتنا اس کا ظرف تھا۔ اور ظرف اللہ کریم نے بنائے ہیں۔ اس لیے انسان کامل تو سارے بن گئے البتہ ظروف کے اختلاف کی وجہ سے ان کے مدارج مختلف ہوئے مثلاً

(الف) کچھ ایسے صحابی تھے جنہیں اس زندگی میں جنت کی بشارت مل گئی جنہیں عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ اس بشارت میں مدت تک وہ زندہ رہے۔ اور جنت کا فیصلہ تو وزن اعمال کے بعد ہونا ہے ان کا پہلے ہی ہو گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ علوم الغیوب کے علم میں یہ بات تھی کہ ان لوگوں کا تزکیہ اس درجے کا ہو گیا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام زندگی بھر کر ہی نہیں پائیں گے جو تزکیہ کے منافی ہو۔

(ب) کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ کے رسول نے اپنے رب کی طرف سے یہ اعلان سنایا تھا کہ **افعلوا ماشئتم** یعنی اب تم جو چاہو کرو۔ اس کھلی اجازت کا مطلب ہی یہ تھا کہ علوم الغیوب کو علم تھا کہ ان کا تزکیہ اس درجے کا ہے کہ یہ لوگ لازماً وہی چاہیں گے جو مجھے پسند ہے۔

دلیل نمبر۲۔ انسان کی سب سے بڑی سعادت اور کامیابی یہ ہے کہ اسے اللہ کی رضا حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم بتاتا ہے کہ ورضوان من اللہ اکبر۔ یعنی اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے۔ اللہ کریم نے اپنی رضا کو تین گروہوں کے ساتھ مختص کر دیا ہے ان میں بقیہ قیامت تک آنے والے کسی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی ارشاد ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه۔

پہلے دو گروہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کو نگاہ مصطفوی نے انسان کامل بنایا مگر تیسرا گروہ وہ ہے جو قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں پر پھیلایا ہوا ہے۔ ان میں سے اللہ کی رضا کے مستحق صرف وہ ہوں گے جو پہلے دو گروہ یعنی صحابہ کے نقش قدم پر چلیں گے یہ اتباع بھی ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے وہ یہ کہ اتباع صرف ضابطے کی کارروائی نہ ہو بلکہ دل کی گہرائیوں سے سچی محبت اور عقیدت کے ساتھ صحابہ کا اتباع ہو گا تو رضا حاصل ہو گی ورنہ نہیں۔

لیجئے نگاہ مصطفوی سے جو تزکیہ ہوا اس کی شہادت خود رب اللعالمین نے دے دی اس کے بعد کسی شہادت کی ضرورت رہ جاتی ہے کیا؟

تیسرا اور چوتھا فرض تعلیم کتاب و حکمت۔ اس میں وہی ترتیب مدنظر رکھی گئی یعنی جن آدمیوں کا تزکیہ ہوا انسان کامل بن گئے صحابی کہلائے ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی گئی اور مسجد نبوی سکول کالج اور یونیورسٹی کا کام دینے لگی۔ فرائض نبوت کی بجاآوری سے جو انسان تیار ہوئے وہ اپنی فطری صلاحیت کے مطابق کوئی مزکی بنے کوئی مفسر بنے کوئی محدث بنے اور کوئی فقیہہ۔

عملی طور پر تو تفسیر حدیث فقہ کے فن میں کمال حاصل کیا مگر عملی طور پر سب اپنے اپنے دائرہ عمل میں انرکی تھے۔

ابن خلدون نے اسی حقیقت کو اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے :۔

" اسلام کی پہلی تین پشتوں میں تصوف اتنی عام تھی کہ اسے کسی خاص نام کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جب دنیا پرستی عام ہو گئی اور لوگ دنیوی زندگی کے بندھنوں میں بری طرح پھنس گئے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر دینے والوں کو صوفیاء کا لقب دیا گیا تاکہ دوسروں

ممیز ہو سکیں"

(مقدمہ ابن خلدون باب نمبر۱۱)

لفظ "عبادت" سے دھوکا کھایا بھی جاتا ہے اور دھوکا دیا بھی جاتا ہے قرآن کریم نے عبادت کا مفہوم واضح کر دیا ہے ارشاد ہے **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ** یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں" تو کیا عبادت سے مراد وہ ہے جو جہالت اور حماقت کی ترکیب سے وجود میں آیا ہے یعنی بلکہ عبادت سے مراد پوری زندگی انفرادی اجتماعی، گھریلو، معاشرتی اور سیاسی ہر شعبہ زندگی میں اللہ کریم کی ہدایات پر عمل کرنے کا نام عبادت ہے۔

اسی طرح سید علی ہجویری نے اپنی مایہ ناز کتاب کشف المحجوب باب نمبر ۳ میں لکھا ہے :۔

"صحابہ و تابعین کے عہد میں تصوف کا نام نہ تھا لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں موجود تھی۔ آج نام موجود ہے لیکن حقیقت مفقود ہے۔"

اب یہاں آ کر ایک اور سوال ابھرتا ہے۔ کہ جب فرائض نبوت ادا کرنا نبی کے ذمے ہے اور نبوت ختم ہو چکی ہے تو اب یہ فرائض ادا کرنا کس کی ڈیوٹی ہے۔ اور کیا ان فرائض کے ادا کرنے کی ضرورت بھی باقی ہے یا نہیں۔ تو اس سلسلے میں اول تو قرآن کریم خود رہنمائی کرتا ہے کہ **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ** یعنی آخری نبی کے جو فرائض تھے وہ اب اس آخری امت کے فرائض ہیں اور وہ ہیں ایمان باللہ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

پھر نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا تھا کہ **فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ** یعنی جو موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ اللہ کا دین ان تک پہنچائیں جو موجود نہیں ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ نے امت کی جو ڈیوٹی لگائی تھی امت نے فرض منصبی ادا کرنے کی کوئی تدبیر کی؟ آپ کہیں گے کیوں نہیں۔ مسلمان جہاں گئے قرآن کی تدریس کے لیے مدرسے کھل گئے حافظ اور قاری تیار ہونے لگے اور اب تک ہو رہے ہیں۔ فرائض نبوت میں سے پہلے فرض کی ادائیگی کا یہ عالم ہے کہ آج مسلمانوں کے گھروں میں مرد عورت بچے بوڑھے حافظ اور قاری ملیں گے یہ **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ** کی صدائے بازگشت ہی تو ہے پھر ہر شہر اور قصبے میں دارالعلوم کھلے ہیں جہاں تفسیر حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور جابہ جا مفسر محدث اور فقیہہ تیار ہو رہے ہیں۔ ہاں یہ سب درست مگر وہ دوسرا اہم فریضہ تزکیہ ہے اس کا ذکر آپ نے بالکل نہیں کیا۔ کیا دین کا یہ شعبہ اب دین سے خارج ہو گیا ہے؟ اگر نہیں تو تزکیہ کے لیے کوئی مدرسہ کوئی دارالعلوم کوئی تربیت گاہ کیوں قائم نہیں کی گئی۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ چودہ صدیوں میں ادھورا ناقص اور نامکمل دین ہی سیکھا اور سکھایا جاتا رہا۔ تزکیہ کا پورا شعبہ ہی غائب ہو گیا جبھی تو آج پندرھویں صدی میں مسلمان یہ سوال کر رہا ہے کہ کیا اسلام میں تزکیہ کی بھی گنجائش ہے۔ البتہ دانشورانہ تکنیک سے کام لے کر تزکیہ کی جگہ تصوف کا لفظ رکھ دیا ہے۔ مگر حقیقت تو اپنی جگہ قائم ہے۔

تاریخ کسی کا لحاظ نہیں کرتی آؤ اس سے پوچھیں۔ سب سے پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔ ذرا دیکھئے مغلیہ سلطنت میں جہانگیر کے دور میں بے دینی اور بدعات کا جو سیلاب آیا تھا اس کے سامنے کونسا حافظ ، قاری، مفسر محدث یا فقیہہ ہمالیہ بن کے کھڑا ہوا تھا کوئی نہیں۔ وہ تو ایک ایسا شخص تھا جو شعبہ تصوف میں امام اور مجتہد سمجھا جاتا ہے۔ وہ تھا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اعلیٰ پائے کا صوفی اور صوفی گر۔ اسی نے وقت کے مطلق العنان بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کی اور بات منوا کے رہا۔ چلیے تصوف کے نمائندوں کے چند اور نام بھی تاریخ سے مانگ لیتے ہیں!

(۱) شیخ اسماعیل لاہوری ۱۰۰۵ء میں لاہور آئے ان کے ہاتھ پر ہر روز سینکڑوں کافر مسلمان ہوئے۔

آپ نے پوچھا

سوال: کیا عورتیں عورتوں کو مراقبات ثلاثہ کروا سکتی ہیں اکثر امیر جماعت لاہور صاحب مجاز حضرات کا کہنا ہے کہ عورتیں مراقبات نہیں کروا سکتیں۔

جواب: جب اکثر امیر جماعت بھی کہتے ہیں سارے صاحب مجاز بھی کہتے ہیں تو مجھ سے پوچھنے کی کیا تک ہے کیا وہ غلط کہتے ہیں عورت نہ امامت کروا سکتی ہے نہ اذان دے سکتی ہے نہ عورت مراقبات کروا سکتی ہے نہ عورت صاحب مجاز ہو سکتی ہے اور نہ عورت کو یہ چیزیں نصیب ہوتی ہیں اسکا اپنا ایک کام ہے وہ اپنا کام کرے یہ پتہ نہیں عورتوں کو مرد بننے کا شوق کب سے ہو گیا ہے۔ بازار میں جاؤ تو بال کٹوا کر فیشن بنا کر مرد بننا چاہتی ہیں مسجد میں آئیں تو نماز پڑھانے کا شوق ہے آگے نہیں کھڑیں ہوں گی درمیان میں کھڑی ہو جائیں گی گھر پہ ہوں تو انہیں مولانا اور پیر بننے کا شوق ہے عورت عورت کیوں نہیں بنتی عورت کو مرد بننے کا شوق کب سے ہے اور مرد عورتوں کی طرح بن رہے ہیں منہ داڑھیاں صاف کرا کے اور عورتوں جیسے لباس بھڑکیلے پہن کے انہیں خواتین بننے کا شوق ہے کوئی برقع کوئی بندے پہن رہا ہے کسی نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں عورتوں کو مرد بننے کا شوق چڑھ رہا ہے تو کم از کم دینی امور میں عورت عورت ہے مرد مرد ہے ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کا محاسبہ ہو گا اس لئے کوئی عورت مراقبات کرانے کی استعداد حاصل کر سکتی ہی نہیں اگر پہلے سے کسی کو مراقبات ثلاثہ ہیں یا فنا فی الرسول ہے تو دو چار مل کے ذکر کر لیتی ہیں تو وہ الگ بات ہے لیکن کوئی عورت نہ صاحب مجاز بن سکتی ہے نہ احدیت ہی کرا سکتی ہے فطری استعداد ہے اس کے ذمے اللہ نے یہ کام لگایا ہی نہیں اگر عورت کرا سکے گی تو پھر عورت مردوں کو بھی کرانے جائے گی پھر کبھی شاید واپس آئے گی بھی یا نہیں آئے گی۔ اس لئے اسلام کے قوانین بڑے سیدھے ہیں۔ جب سارے صاحب مجاز بھی کہتے ہیں اور امیر جماعت بھی کہتے ہیں تو ان کی بات آپ لوگوں کو مان لینی چاہئے۔ ضروری نہیں ہے کہ اس پر فتویٰ ہی حاصل کیا جائے۔

سوال: حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا نام سلسلہ سہروردیہ میں بھی آتا ہے اور ہم جو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ سے تعلق رکھتے ہیں ہمارے شجرہ میں بھی نام آتا ہے تو ایک شیخ کا نام دو روحانی سلاسل میں کیونکر آ جاتا ہے۔

جواب: اس لئے آ جاتا ہے کہ دو تو آپ نے لکھ دیئے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے بے شمار سلسلے فیض حاصل کرتے ہیں اور ہر سلسلے کا صرف طریقہ ذکر مختلف ہے توجہ اور نسبت ایک ہی ہوتی ہے مرکز ایک ہی ہے سفر ایک ہی طرف ہے منزل سب کی ایک ہے تو جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوائے نسبت اویسیہ کے باقی سارے

سلسلوں کا مرکز ہیں ہر سلسلے میں ان کا نام آتا ہے۔ اسی طرح مشائخ میں ایسے لوگ ہیں جن کو تمام سلاسل میں عبور ہوتا ہے اور تمام سلاسل کی نسبت جنہیں نصیب ہوتی ہے اور مختلف سلاسل جب ان سے برکات حاصل کرتے ہیں تو اپنے شجرہ میں ان کا نام داخل کر لیتے ہیں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے نام آنا تو کوئی عجیب بات نہیں اہل اللہ سے تعدد امثال ثابت ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ ایک شخص کو ایک وقت میں متعدد مقامات پر دیکھا گیا۔ جہاں تک روحانی طور پر اس کا تعلق ہے وہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جن کے پاس بصیرت ہے باطن کی آنکھیں ہیں۔ اسی طرح مشائخ کا یہ حال ہوتا ہے کہ کوئی مراقبات ثلاثہ والا ذکر کر رہا ہے وہ اپنے مراقبات پہ شیخ کو دیکھ رہا ہے کوئی فنا بقا والا ذکر کر رہا ہے وہ اس جگہ پہ دیکھ رہا ہے کوئی فنا فی الرسول میں حاضر ہے وہ وہاں دیکھ رہا ہے کوئی منازل بالا میں چل رہا ہے وہ شیخ کو وہاں دیکھ رہا ہے تو ایک شخص کی بے شمار امثال یا بے شمار اس کے وجود نظر آتے ہیں ایک وقت میں متعدد مقامات پر حالانکہ وہ شخص ایک ہی ہوتا ہے تو جس جس طرف اس کی توجہات جا رہی ہوتی ہیں وہاں وہاں اس کی شکل متشکل ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ چیز اہل اللہ میں مادی آنکھوں سے بھی دیکھی گئی کہ ایک وقت میں ایک شخص کو لوگوں نے متعدد مقامات پر دیکھا اسے تعدد امثال کہتے ہیں اس کی مثالیں متعدد ہو گئیں اس کے وجود کی متعدد شبیہہ ہو گئیں۔

سوال : حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خلاف کوہ طور پر گئے تھے۔ تو انوارات باری سے بے ہوش ہو گئے جو پیغمبر خدا ہو کر بے ہوش ہو گئے تو ہم جو کہتے ہیں لطائف پہ انوارات آتے ہیں تو ہم انوارات کو کیوں کر برداشت کر لیتے ہیں؟

جواب : بنی اسرائیل کے خلاف تو نہیں گئے تھے اللہ نے بلایا تھا تو گئے تھے نور بنیادی طور پر دو طرح کا ہے ایک نور وہ جو اللہ نے تخلیق فرمایا جو مخلوق ہے جیسے فرشتے نوری مخلوق ہیں اس نور سے فرشتے بنے وہ نور خود مخلوق ہے مادے مادے سے بنے ہیں مادہ مخلوق ہے اس طرح وہ نور بھی مخلوق ہے ایک وہ نور جو اللہ جل شانہ کا ہے۔ **اللہ نور السموت والارض**۔ جو اللہ کی صفت ہے اس کی پھر دو قسمیں ہیں۔ جو غیر مخلوق ہے اس میں دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اللہ کی ذات کی تجلی ہے اس کی ذات کا نور ہے اور بے شمار وہ جو اس کی صفات کے نور ہیں ہر صفت باری کا الگ طرح کا ایک نور ہے اور بے شمار وہ جو اس کی صفات کے نور ہیں ہر صفات باری کا الگ طرح کا ایک نور ہے رزاقیت کا الگ ہے خالقیت کا الگ ہے رحمیت کا الگ ہے قادر اور عزیز ہونے کا الگ ہے ہر طرح ہر جتنے اوصاف ہیں اتنے انوارات ہیں لیکن اگر صفاتی تجلی ہو یا ذاتی تجلی ہو تو شخص کی ذات پر وہ تجلی اس کی استعداد اور مقام و مرتبہ کے مطابق نازل ہوتی ہے اگر عین ذات کی تجلی بھی ہو تو جو تجلی ولی پر آتی ہے وہ اس کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہو سکتی جو نبی پہ آتی ہے نبی پہ بحیثیت نبی آتی ہے ولی پہ بحیثیت ولی آتی ہے جس تجلی کے سامنے موسی علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام بے ہوش ہوئے وہ تجلی انہوں نے مانگی تھی۔

رب ارنی۔ خدایا مجھے اپنا آپ دکھا مجھ پر اپنا جمال آشکارا کر **انظر الیک** میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تیری ذات کو دیکھنا چاہتا ہوں فرمایا موسی علیہ السلام **لن ترانی**۔ جس عالم میں تم ہو جس حال میں تم ہو وہاں سے دنیا کی مادی آنکھوں سے مجھے دیکھنا یہ ممکن نہیں ہے نہیں دیکھ سکو گے اور پھر جتنا رب نے چاہا کوئی بہت چھوٹا سا ذرہ تجلی ذات کا۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا۔ وہاں پرخچے اڑ گئے پہاڑ کے اور جل کر راکھ ہو گیا بڑی بڑی چٹانیں سرمے میں تبدیل ہو گئیں کوئلہ بن گئیں جنہیں پیس کر سرمہ بنایا جا سکے معروف سرمہ سب سے قیمتی آتا ہے یہ کوہ طور کا طوری سرمہ ہے وہ اسی وقت کی جلی ہوئی چٹانیں ہیں۔ وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ موسی علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے اب وہ جو کشف جمال باری موسی علیہ السلام کے

لئے تھے وہ اس درجے کے اولوالعزم رسول کے لئے تھا اور جو کسی ولی پہ انوارات آتے ہیں وہ اس کی حیثیت کے مطابق ہیں۔ آپ نے اپنے گھر میں دیکھا ہو گا کہ جو کھانا آپ ایک بزرگ کو دیتے ہیں وہ اپنے گھر میں ایک شیر خوار بچے کو نہیں دیتے وہ بھی انسان ہے وہ بھی انسان ہے کھانا ایک باورچی خانے سے آ رہا ہے چولہے پہ پک رہا ہے فرق کیوں ہے وہ بھی کھانا ہے یہ بھی کھانا ہے کیوں فرق ہے اس لئے کہ

طفل را گر نان دہی بر جائے شیر
طفل بے چارہ آزاں را مردہ گیر

مولانا رومی نے اس موضوع پہ بات فرمائی ہے کہ شیر خوار بچے کو بزرگ کی طرح روٹی ٹھونس دو اس کے پیٹ میں تو اس کے مرنے کے لئے وہی کافی ہے۔ اسے آپ کچن سے دودھ ہی گرم کر کے دیں گے بابا جی کو آپ آدھی جلی ہوئی روٹی بھی کھلا دیں گے تو وہ ہضم کر جائیں گے۔ تو رب کریم کا جمال بھی ہر ایک پہ ایک سا آشکار نہیں ہوتا۔ **وَكُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ**۔ اس کے ہر لمحے کی الگ شان ہے آخرت میں دار دنیا سے جانے کے بعد آنکھیں اس قوت کو حاصل کر لیں گی جس کے بارے ارشاد ہے۔

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔

آج تیری آنکھ ہم نے تیری نظر بہت مضبوط کر دی تو قیامت کے روز بھی مومنین کو جو سب سے بڑی نعمت نصیب ہو گی میدان حشر میں کلام الٰہی ہو گی اور زیارت باری ہو گی عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم اللہ کریم کو دیکھ سکیں گے فرمایا جس طرح تم اس روشن چاند کو سامنے دیکھ رہے ہو اسی طرح اپنے پروردگار کو دیکھ سکو گے۔ یہ دیکھنے کی مثال ہے اللہ کی ذات کی مثال نہیں اہل جنت کے پاس جنت میں سب سے بڑی جو نعمت ہو گی وہ جمال باری کا دیدار ہو گا۔ کسی کو سال میں ایک بار کسی کو مہینے میں ایک بار کسی کو ہفتے میں ایک بار جمعہ کے جمعہ کسی کو ہر روز کوئی ایسے بھی ہوں گے جنہیں ہر آن نصیب ہوں گا لیکن ہر دیدار کرنے والا اپنی حیثیت کے مطابق دیکھے گا سب ایک سا نہیں دیکھیں گے وہ ذات ایسی نہیں ہے وہ ذات ایسی ہے جس کے حسن و جمال کی جس کے انوارات کی جس کی ذات کی جس کی صفات کی کوئی حدود و قیود نہیں ہیں اور ہر دیدار پر دیدار کرنے والا کا اپنا چہرہ اتنا بدل جائے گا اتنا روشن ہو جائے گا حدیث شریف میں ملتا ہے کہ دیدار باری سے جب وہ واپس اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہو گا تو اہل خانہ حیران ہو جائیں گے کہ یار تم اتنے اور خوبصورت ہو گئے ہو پہچانے ہی نہیں جا رہے یہ اثر ہو گا اس جمال باری کا تو بہر حال انبیاء علیہم السلام کی بات انبیاء علیہم السلام کی ہے طفل شیر خوار کی بات طفل شیر خوار کی ہے۔

سوال : جن عورتوں کے مراقبات سالک المجذوبی تک ہیں کیا وہ دوسری عورتوں کو مسجد نبوی تک مراقبات کروا سکتی ہیں؟

جواب : سبحان اللہ تو عورتیں عورتوں سے شادی کر کے اولاد پیدا کر سکتی ہیں تو مراقبات بھی کروا سکتی ہیں نہیں کر سکتیں تو مراقبات بھی نہیں کروا سکتیں اور ایک بات میں اور صاف کرتا چلوں جن خواتین کو میں نے سالک المجذوبی نہیں کروائی ان کو کوئی سالک المجذوبی نہیں ہوئی جس صاحب مجاز نے کروائی ہے اس نے پخ ماری ہے کسی صاحب مجاز کو مراقبات ثلاثہ سے آگے مراقبات کروانے کی اجازت نہیں ہے پورے ملک میں یا ملک سے باہر اگر کسی کو اجازت دی جاتی ہے تو کسی خاص صورت میں کہ وہ بندہ مرکز تک نہ آ سکتا ہو یا میرا اس طرف جانا نہ ہو تو کسی ایک بندے کے لئے یا کسی ایک گھر کے لئے یا کسی ایک خاتون کے لئے ایک وقت کے لئے اجازت دے دی اس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ اجازت دیا کرتے تھے لیکن وہ اجازت محدود ہوتی تھی اس فرد کے لئے کسی خاص وجہ سے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح مکہ کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے فرصت نہیں ہے خواتین جو بیعت کرنا چاہیں میری طرف سے ان سے بیعت لے لو چادر پکڑوا کر۔ اس کا یہ مطلب تو

نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دیتے اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ وقتی طور پر جو ضرورت تھی اسے پورا کیا جائے۔

تو صاحب مجاز حضرات کو جب مراقبات ثلاثہ سے آگے کسی کو مراقبات کرانے کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ خاص اس کام کے لئے ہوتی ہے ہاں جن صاحب مجاز حضرات کو پیر بننے کا شوق ہے یا عورتوں سے چکنی چپڑی کھانے کا شوق ہے کہ اس میں وہ زیادہ گھی ڈال کے دیں گی انہیں کہہ دیں کہ سالک المجذوبی ہو گئی تو وہ اور بات ہے۔ ایک تو یہ نوٹ فرمالیں خواتین بھی کہ سالک المجذوبی یا فنا فی الرسول انہیں عورتوں کا معتبر ہے جنہیں یہاں کرایا گیا ہے یا جن کے لئے کسی کو اجازت دی گئی ہے کہ انہیں آپ فنا فی الرسول تک مراقبات کروا دیجئے۔

اور دوسری بات پہلے سے اگر کسی کو ذکر ہے عورتیں ذکر کروا سکتی ہیں طریقہ ذکر بتا سکتی ہیں پاس بیٹھ کر ذکر کر سکتی ہیں لیکن عورت کے توجہ دینے سے نہ کچھ ہوتا ہے نہ اسے توجہ دینے کی استعداد رب العالمین نے دی ہے۔

سوال : کیا ہم الاخوان کے بیج کو ہر وقت لگا سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ ایک ساتھی نے فرمایا کہ رفع حاجت کے جاتے وقت اس کو اتار دیا جائے۔

جواب : اگر کوئی اتارنا چاہے تو اچھی بات ہے ورنہ بیج اوپر سینے پر لگا ہوتا ہے اوپر آپ رومال ڈال دیں یا کپڑا ڈال دیں وہ نیچے آ جائے تو وہی اتارنے والی بات ایک ہی ہوتی ہے جیسے آپ کی جیب میں کوئی نقش ہے یا آپ کے گلے میں نقش ہے وہ بند ہے تو چیز ڈھانپ دی جائے وہ اس میں شمار ہوتی ہے جیسے مکان میں مسجد میں بے شمار قرآن مجید پڑے ہیں آپ اوپر چھت پہ جاتے ہیں تو وہ بے ادبی شمار نہیں ہوتی کیونکہ وہ دوسری جگہ ہے یہ دوسری جگہ ہے تو اس طرح اگر رومال یا کپڑا یا سر کا رومال کندھے پہ ڈال دیا جائے جس سے چھپ جائے یا سر کی ٹوپی پہ لگالیں اور اتار کر رکھ دیں تو ہو سکتا ہے کوٹ پہ بنیان پہ اس واسکٹ پہ ہے اتار دیں اچھا ہے نہیں اتارتے تو اس پہ کپڑا ڈال دیں ہاں ٹوپی وغیرہ پہ لگالیں تو بھی اچھا ہے۔ اگلا سوال ہے ہی یہی کہ ہم ٹوپی پہ لگالیں ضرور لگالیں بھائی ماتھے پہ لگالیں مہر نبوت ہے برکت کی چیز ہے بلکہ میری ایک ٹوپی پہ لگا ہوا بھی ہے۔

سوال : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس قوم نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے **مَن تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔** اس حدیث پاک کو مدنظر رکھتے ہوئے علماء اور فقہائے کرام نے پینٹ شرٹ ٹریک سوٹ وغیرہ کو غیر اسلامی قرار دے دیا۔ اس کے استعمال پر پابندی عائد فرما دی ہم نے سلسلے کے پرانے ساتھی سے اس بات میں سوال کیا تو فرمایا اگر پینٹ شرٹ غیر اسلامی ہے تو شلوار قمیض کون سا اسلامی لباس ہے؟ تو پینٹ شرٹ ٹریک سوٹ وغیرہ میں کوئی حرج نہیں؟

جواب : بھئی میں اس کی بات پہلے بھی کر چکا ہوں بات اس ساتھی کی وزن رکھتی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے تو تہہ بند استعمال فرمایا ہے اور کرتہ مبارک استعمال فرمایا ہے ایک روایت میں یہ ملتا ہے کہ شلوار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمائی استعمال فرمانے کا کہیں ذکر نہیں ملتا لیکن بنیادی طور پر اسلامی لباس ہے کیا اور کیا وقت کی ضرورت کے ساتھ اس میں کوئی تبدیلی کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ جس لباس کی پابندی ہے وہ تو ہے ستر عورت وہ تو فرض ہے اب اس کے بعد سب سے خوبصورت لباس وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلفائے راشدین کا صحابہ کبار کا تھا لیکن ہر عہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ جو پتلون کا تصور آیا اور شرٹ کا یہ بھی مسلمانوں کا لباس ہے اور یہ ترکوں نے شروع کیا جب میدان میں ضرورت پڑتی تو بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ تہہ بند کے ساتھ کھلے کرتے کے ساتھ

میدان کار زار میں تکلیف ہوتی تھی ترکی میں عام دیہات میں ابھی تک وہ تنگ پائنچے کی شلوار اوپر سے بڑی کھلی ہوتی ہے لیکن نیچے پائنچہ تنگ ہوتا ہے قمیض اندر دے کر اسے اوپر باندھتے ہیں عام لباس ہے ابھی تک ترکی میں دیہات کا۔ ترکان عثمانیہ کے عہد میں یہ شروع کیا گیا یہ لباس اسلامی مسلمانوں کا شروع کردہ تھا پھر اسے دوسری اقوام نے بھی اپنا لیا لیکن دوسری اقوام نے جب اپنایا تو انہوں نے اپنے خاص اسٹائل اپنائے۔ اپنے خاص طریقے بنائے کہ اس طرح کا خاص کٹ کا کوٹ ہو اس میں اس طرح کی بو (Bow) لگے۔ اس طرح کا کوٹ ہو اس میں اس طرح کی ٹائی لگے۔ اس طرح کا دھاگا باندھا جائے۔ اس سائز کی اس طرح کی پتلون ہو یا اس قسم اس رنگ کا ہو تو وہ کھانے کے وقت پہنا جائے اور اس رنگ کا ہو تو وہ شام کو پہنا جائے اس رنگ کا ہو تو وہ باہر نکلنے کے لئے پہنا جائے۔ تو اس حد تک مشابہت اختیار کرنا یہ ناجائز ہے۔ یہ درست نہیں ہے تو بندہ انہی میں سے ایک نظر آئے Otherwise ضرورت کے وقت ضرورت کا لباس پہننے کا مطلب مشابہت نہیں۔ اگر کسی آدمی کی ایسی ڈیوٹی ہے جیسے ہمارے فوجی پتلون پہنتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ان کی فوجی پتلون بعینہ ایسی ہو جیسی امریکہ یا برطانیہ میں یا وہاں کے لوگ پہنتے ہیں بلکہ ان کی اپنی فوجی ضرورت کے مطابق ان کا لباس مختلف اس میں چیزیں جیسے ٹوپی پگڑی ہوتی تھی فوج کی پگڑی ہٹا کر ٹوپی آ گئی یہ چیزیں بدلتی رہتی ہیں لیکن اتنی ٹپ ٹاپ کرنا کہ ان سے بندہ تمیز نہ ہو سکے یہ حرام ہے یہ درست نہیں ہے خصوصاً جو ان کے بالکل شعار بن گئے ہیں کہ وہ اس کے بغیر ان کے لباس مکمل ہی نہیں ہوتا ان سے اجتناب کرنا چاہئے جیسے ٹائی وغیرہ۔

سوال : چند سالوں سے تبلیغی جماعت کے پرانے احباب سے کچھ نئی باتیں سننے میں آئی ہیں ان کے بارے میں تبلیغی حضرات کے الفاظ نقل کر رہا ہوں "موجودہ دور مکی دور ہے دعوت کے کام میں لگنے سے دین تجویدی طور پر آئے گا پہلے ایمان پھر عبادت پھر اخلاق پھر معاملات اور ان میں سیاست خود بخود درست ہو جائے گی۔"

جواب : اگر یہ مکی دور ہے تو اس میں مسلمان کون ہے اور اہل مکہ میں سے کون ہے یہ بھی وضاحت فرما دیں تا چونکہ یہاں تو سارا ملک ہی مسلمان کہلواتا ہے اور اگر کوئی دور اڑھائی فیصد ایسے لوگ ہیں جن سے آپ اختلاف ایمان کا یا اصول کا کرتے ہیں شیعہ مرزائی جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں وہ تو کسی شمار قطار میں نہیں ہیں **پرسنٹیج** اگر نکالی جائے تو کوئی ان کی **پرسنٹیج** نہیں بنتی تو پوری آبادی کی پرسنٹیج کتنی ہو گی۔ آٹھ دس سال پہلے کی بات ہے ایک بڑا طوفان اٹھا تھا اہل تشیع کی طرف سے کہ ہماری آبادی پچیس فیصد ہے یا کچھ اس طرح سے جب ضیاء الحق صاحب نے زکوۃ کا نظام رائج کیا تھا شاید اس وقت ہم نے کوشش کی تھی شیعہ آبادی کا اندازہ لینے کی تو کچھ دوستوں نے تمام ملک کے سکولوں کی تعداد جمع کی تھی امتحانی نتائج میں سے جتنے ریزلٹس آئے تھے مثلاً" میٹرک کے جتنے ریزلٹس آئے ہیں تو دیکھیں ان میں شیعہ سٹوڈنٹس کی تعداد کیا ہے تو اس نسبت سے اندازہ کریں کہ اگر ملک میں دس سکول ہیں اور ان میں دو شیعہ ہیں تو ملک کی آبادی میں یہ کتنے ہوں گے کیونکہ بندے بندے کو گننا تو ممکن نہیں تھا تو پوری آبادی میں دو سے اڑھائی فیصد تعداد بنتی تھی شیعہ کی اور یہ جو ساڑھے ستانوے فیصد ہیں ان میں سے اہل مکہ کون ہیں اور مسلمان کون ہیں یہ بتایا جائے پھر پتہ چلے واقعی مکی دور پھر آ گیا اس کا مطلب ہے وحی بھی پھر نازل ہو رہی ہو گی نئے سرے سے قرآن اٹھا لیا ہو گا مکی دور میں کوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نیا آیا ہو گا یہ سب خرافات ہیں کام نہ کرنے کے بہانے ہیں۔ اسلام واپس نہیں جاتا جو مدینے میں اسلام آیا اس پر مکی دور واپس نہیں آیا مکی دور میں تو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جاتا تھا نہ نماز تھا نہ روزہ تھا نہ کوئی حرام تھا نہ حلال تھا صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام تھا تو رفتہ رفتہ ایک ایک حکم نازل ہوتا گیا تو جتنا نازل

ہو چکا ہوتا وہ مکی دور میں بھی کسی کو یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ اب نماز کا حکم آ گیا ہے لہٰذا جن پر حکم آیا ہے یہ تو نماز پڑھیں گے جو آج مسلمان ہوا ہے۔ وہ صرف کلمہ پڑھے نماز نہ پڑھے ایسی مکی دور میں بھی نہیں کیا گیا تو باقی کا چھوڑ دو تم چونکہ آج شروع کر رہے ہو پہلے سرے سے شروع کرو جس طرح پہلے دنوں والے مسلمان تھے ایسا اسلام میں نہیں کیا گیا یہ سوال پیدا ہوا تھا جنرل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں یہ جنرل صاحب نے خود ہی تقریر میں کہا تھا کہ اسلام میں دو راستے ہیں اور یہ بھی علماء نے انہیں پڑھایا تھا ایک ہے کہ فوری تنفیذ کر دی جائے اور ایک ہے بتدریج جس طرح قرآن نازل ہوا تھا اس طرح بتدریج نافذ کیا جائے ہم نے بتدریج کا راستہ اختیار کیا ہے اور اس میں انہوں نے اپنا وہ کمال دکھایا تھا کہ ہم زکوٰۃ کا نظام رائج کر رہے ہیں بتدریج باقی بھی کریں گے۔ تو میں نے اس زمانے میں بھی عرض کیا تھا کہ اسلام کے نزول میں تدریج ہے نفاذ میں نہیں ہے۔ نازل ضرور بتدریج ہوا لیکن مکہ مکرمہ میں بھی جب اسلام کے جتنے احکام نازل ہو چکے تھے جو ایمان لاتا تھا اس پہ تدریج نہیں ہوتی تھی جو نازل ہو چکا تھا سارا نافذ ہو جاتا تھا یہ نہیں فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تیرھویں سال میں جو اسلام آیا اسے پہلے سال والا اسلام کافی ہے اگلے سال تم دوسرے والا کرنا کہ اگلے سال جو تیسرے سال احکام نازل ہوئے ہیں کرنا کہیں ہے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد جو ایمان لائے اسے تئیس سال دینے چاہئیں ان احکام کو بتدریج قبول کرنے کے لئے کوئی مکی دور نہیں ہے مکر ہے ہمارا جان بچانا چاہتے ہیں کام نہیں کرنا چاہتے۔ ہم سب پہ سارے کے سارے اسلام کے احکام جو فرض ہیں وہ فرض ہیں جو واجب ہیں وہ واجب ہیں جو سنت ہیں وہ سنت ہیں سارے احکام ایک وقت میں جو ہم پہ لاگو ہو سکتے ہیں وہ سارے لاگو ہیں اور ہم کہہ کر جان نہیں چھڑا سکتے بلکہ

قرآن کریم نے تبلیغ کے لئے جو حکم دیا فرمایا **ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔** تم میں سے ایک ایسی جماعت اس کا طریق بتایا کہ خود پہلے دین سیکھے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں کہ جو دنیاوی کاروبار سے ہٹ کر اللہ کے لئے دین سیکھیں اور پھر دوسرے لوگوں کو دین سکھائیں ہر بستی مسلمانوں کی ہر آبادی میں کچھ افراد ایسے ہونے چاہئیں جو دینی تربیت کا اہتمام کرتے رہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں کسی سے پیسہ لینے کی ضرورت نہیں ہے لیکن قوم کو چاہئے کہ ان کی ضرورتوں کا لحاظ رکھے انہیں کوئی دے یا نہ دے وہ اپنا کام کرتے رہیں یہ قوم کے ذمے ہے کہ جب وہ پوری قوم کی طرف سے ایک فریضہ انجام دے رہے ہیں یہ قوم کے ذمے ہے کہ ان کی ضرورتوں کا لحاظ کرے یہ طریقہ ہے تبلیغ کا قرآن میں جو ہے نہ جاننے والا دوسرے پر کیا محنت کرے گا مجھے یہ بتائیں جو خود جانتا ہی نہیں وہ دوسرے پہ محنت کیا کرے گا تو یہ کوئی صحیح بات نہیں ہے بالکل کوئی مکی دور نہیں ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی مسلمان کے پاس تبلیغ کے لئے جانا میری نظر سے آج تک نہیں گزرا میں نے کسی روایت میں نہیں پڑھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے ہوں کہ فلاں مسلمان کو تبلیغ کر کے آؤں اور یہ میں نے ہر بار پڑھا ہے کہ جہاں تک ممکن ہوا ہر کافر کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے کے گئے کسی نے پتھر مارے کسی نے طعنے دیئے کسی نے گستاخی کی کسی نے زیادتی کی ہمارے ساتھی صرف مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں کافروں کی طرف منہ کوئی نہیں کرتا اگر تبلیغ کو یا تبلیغ کی گشت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت قرار دیا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے سے بڑے کافر کے پاس گئے کافروں کے قافلوں میں گئے کافروں کو اثنائے سفر میں ملے کافروں کے گھروں میں گئے کافر سرداروں کے پاس گئے چل کر گئے پیدل تشریف لے گئے توہین ہوئی تکلیف ہوئی ایذا دی گئی پتھر مارے گئے لیکن آپ گئے تبلیغ

کرنے کے لئے اور دین کی طرف بلایا تو مکی دور میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں کو تبلیغ کرتے تھے اگر یہ مکی ہی دور ہے تو کون سا کافر ہے کس کے پاس آپ جا رہے ہیں تبلیغ کے لئے اور اگر آپ مسلمانوں میں اصلاحی کام کر رہے ہیں جو کہ واقعی اس کی حیثیت ہے تو سب مسلمان ہیں کوئی گنہگار ہے یا نیک ہے بیچارے دین کی تربیت کا اہتمام نہیں ہے دینی ضرورت سے ناواقف ہیں اور کچھ لوگ خود سیکھ کر دوسروں کو سکھانے کا کام کر رہے ہیں یہ مستحسن ہے لیکن یہ سارا کام نہیں ہے کہ بس یہ کر کے آپ فارغ ہو گئے اور آپ کو اتنی حوریں مل گئیں اور آپ عیش کریں گے ایک ایک بیوی گھر میں بھوکی بیٹھی ہے پانچ پانچ سو حوروں کو یہ آباد کر لیں گے۔

سوال : کیا صحابہ کرام نے تیرہ سال دعوت کا کام کیا؟

جواب : میرے علم میں تو نہیں ہے کہ صحابہ نے تیرہ سال دعوت کا کام کیا ہو۔ ہم نے تو کسی تاریخ میں نہیں پڑھا صحابہ کو تو مکمل دین ملا ان کے ہاتھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں تلوار بھی دی ڈھال بھی دی دینی احکام بھی دیئے بدر و احد کے لئے نکلے دس سالہ مدنی زندگی میں اسی سے چوراسی کے درمیان روایات میں اختلاف ہے اکیاسی بیاسی چوراسی لیکن اس سے زائد غزوات و سرایہ ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آئے اور اسی حال میں صحابہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین سپرد کیا دینی ریاست بھی سپرد کی۔ لشکر رومن کے خلاف روانہ ہو رہا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہری وصال ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے تک روضہ اطہر میں آرام فرما ہونے تک تین دن رکنا پڑا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے سبب بھی وہ لشکر منسوخ نہیں کیا گیا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدل چل کر انہیں باہر چھوڑنے کے لئے سالار لشکر کی رکاب تھام کر ساتھ گئے اور فرمایا میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو لشکر آراستہ کیا ہے یہ اپنے کام پر جائے گا۔ مسیلمہ کذاب نے دعویٰ کیا اپنی نبوت کا۔ صحابہ نے جہاد کیا۔ منکرین زکوۃ کے خلاف تلوار کھینچی انہی دنوں میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا کون سے تیرہ سال صحابہ نے صرف تبلیغ کی۔ صحابہ کا دور تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے شروع ہوتا ہے نا کون سے تیرہ سال صرف تبلیغ پہ لگائے۔ یہ اپنے آپ کو دھوکا دینے کی باتیں ہیں اگر ابھی اسلام کا قانون نافذ کر دیا جائے تو لوگ بغیر وضو نمازیں پڑھیں گے مرتد ہونا شروع ہو جائیں گے سبحان اللہ کیا بات ہے اور اگر آپ کے منصوبے کے مطابق ہو تو پھر دنیا دوبارہ آئے گی تو شاید اسلام نافذ ہو جائے لوگ جب مرتد ہوں گے تو مرتد کی سزا بھی اسلام میں موجود ہے قانون جب اسلامی ہو گا تو مرتد کی سزا بھی جب نافذ ہو گی تو مرتد ہو جانے والوں کو تو مزا آ جائے گا فکر نہیں کریں مرتد بھی تب تک ہو رہے ہیں جب حکومت اسلام کے پاس نہیں ہے۔ اسلام نام ہی سلامتی کا ہے مرتد بارود کا ڈھیر ہوتا ہے وہ دوسروں کے لئے تباہی کا سبب بنتا ہے اسلام ایسے بارود کے ڈھیر برداشت نہیں کرتا اسلام میں مرتد کی بھی اقسام ہیں ہر قسم کی سزا الگ ہے اور موت سے کم کسی کی سزا نہیں ہے بلکہ اسلام میں جو فرقے اسلامی نام پر مرتد ہوتے ہیں تو اسلام میں تو کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ایسے مرتد کی توبہ مانی جائے بلکہ اس کی توبہ کے بعد بھی سزا قتل ہے۔ ہو سکتا ہے محض ڈر سے اپنے تقیہ کر کے توبہ کر رہا ہو اسلام ایک مکمل اور جامع دین ہے جب اسلام نافذ ہو گا تو سارے کو سیدھا کر کے رکھ دے گا فکر نہیں کریں اور جب اسلام نافذ ہو گا تو یہ مولوی بھی نرے مسجد میں بیٹھ کر مزے نہیں کریں گے ان کو بھی کما کر کھانا پڑے گا یہ فکر بھی کر لیں یہ جو مفت کی روٹیاں آ جاتی ہیں نا اور آپ کے عورتوں کی طرح نازک ہاتھ ہیں اور چہرے جو پژمردہ پژمردہ نظر آتے ہیں اور پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں جوتی تنگ کرے۔ تو آپ کو بھی پتھروں پہ بھاگنا پڑے گا اور آپ بھی مزدوری کر کے کھائیں گے آپ کو بھی گیتیاں

چلانی پڑیں گی فکر نہیں کریں اسلام صرف ان کو سیدھا نہیں کرے گا جن کے پاس علم نہیں ہے جو علماء ہیں ان کو بھی سیدھا کر کے رکھ دے گا اسلام کے لئے سارے اللہ کی مخلوق اور مسلمان ہیں اور ہر ایک کی اپنی اپنی ذمہ داری اپنی اپنی استعداد ہے ہر ایک کو اپنا کام کرنا پڑے گا۔ اپنا رزق کمانا پڑے گا اپنے حقوق قدرتی حلال اور جائز طریقے سے حاصل کرنا پڑیں گے کوئی کسی کے حق پر ڈاکہ نہیں مار سکے گا۔ یہ مغالطہ نکال دیں یہ دعا کریں اسلام آ جائے پھر سواد آ جائے گا۔ گھبرائیں نہیں۔

سوال : حکومت اور خلافت کا وعدہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ہے اور ہمیں اللہ پر اعتماد ہے کہ ہمارا ایمان بھی کامل ہے اور جتنی رب نے توفیق دی ہے عمل صالح بھی کر رہے ہیں یہ کام کیا جائے تو حکومت خود بخود مل جائے گی۔

جواب : نہیں جی خود بخود حکومت نہیں ملا کرتی جو بیبیاں شادی نہیں کرتیں وہ خود بخود بیٹے نہیں کھلاتیں کہ شادی نہیں کریں گی اور ساری مریم علیہما السلام بن جائیں گی اور انہوں نے ایک ایک عیسیٰ اٹھایا ہوا ہو گا اور عیش کر رہی ہوں گی۔ ایسا نہیں ہوتا حکومتیں لینا پڑتی ہیں حکومت کبھی کوئی گفٹ میں یا تحفے کے طور پر کوئی کسی کو نہیں دیتا یہ غلط فہمی نکال دیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سے مانگی اور نوک شمشیر کفر سے چھین کر اسلام کی حکومت بنائی۔ مکہ مکرمہ کو فتح کر کے وہاں پر اسلام کی حکومت نافذ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتے تھے جس کے پاس چابی تھی اس نے کہا واہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہر میں نہیں رہنے دیتے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت اللہ کے اندر داخل کر دوں میں نہیں ایسا کر سکتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس دن کو یاد رکھ جب یہ چابی میرے حکم پر کسی کو دی جائے گی وہ چابی اٹھا سکے گا جس کو میں عطا کروں گا تو اس نے بڑا مذاق اڑایا اس نے کہا ایسے ایسے خیالات بھول جاؤ یہ پورے عرب کا مرکز ہے اور پورا عرب اس پر جان لڑا دے گا ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ فتح مکہ کے روز اسی شخص کے پاس چابی تھی اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کرنا پڑ گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمتہ اللعالمین ہوں تو نے میرے لئے دروازہ نہیں کھولا آج اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے میں تجھے اس منصب پر بحال رکھتا ہوں اٹھا لے یہ چابی اور تو اس دروازے کا کنجی بردار ہو جا۔ اسی بات پر اس نے ایمان قبول کر لیا تھا کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یہ حوصلہ اللہ کا رسول ہی کر سکتا ہے۔ تو حکومت کے لئے مکہ واپس لینے کے لئے تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسوں کے پرخچے اڑ گئے اور ٹکڑے کفن میں نہیں سماتے تھے تم کون سا خود بخود لینے بیٹھے ہو بھائی خود بخود تو دال نہیں پکتی خود بخود تو ایک چپاتی نہیں بنتی خود بخود کیا ہوتا ہے ہم سب مکلف ہیں اسلام نافذ کرنے کے یہ خود بخود نہیں ہو گا۔

سوال : پورا دین پوری عمر میں دعوت دینا' یہی کام منصب نبوت ہے۔ یہی کام ہر امتی کے ذمے فرض عین ہے اس کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں؟

جواب : بات ہی ختم ہو گئی آپ کو یہی ایک راستہ دکھائی دیتا ہے کاش آپ کو بدر و احد کا راستہ بھی دکھائی دیتا۔ آپ نے ایک آنکھ بند کر لی ہے۔

سوال : جہاد کے لئے ایمان کی اور محنت کی ضرورت ہے؟

جواب : بھائی جہاد فرض ہی مسلمانوں پر ہوتا ہے آپ نہ مانیں کہ لوگوں میں ایمان نہیں ہے تو یہ آپ کی مرضی۔ جو کہتا ہے کہ میں اللہ کو اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور دین کی ضروریات کو مانتا ہوں ہم تو اسے مسلمان مانتے ہیں کہ اس میں ایمان ہے۔

سوال : دعوت کے بغیر جہاد کیسا ہے؟

جواب : چلو جی اللہ دی مرضی جہاد وچ ویسے رولا رپا تاں ہوندا۔

سوال : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکی زندگی

میں جہاد کی آیت نازل ہونے کے باوجود دعوت کا کام کیا؟
جواب : کیا بات ہے سبحان اللہ میرے بھائی جہاد کا اجازت نامہ مدینہ منورہ میں آکر نازل ہوا خود نہیں پڑھے تو کسی پڑھے لکھے سے پوچھ لو۔ **فَسئلُو اھل الذکر ان کنتم لا تَعلَمُونَ۔** مکہ مکرمہ میں جہاد بالسیف کی اجازت نہیں تھی۔ مجھے اب وہ آیتہ کریمہ یاد نہیں آ رہی۔ **اذن للذین** ۔ سے شروع ہوتی ہے وہ آیت۔ اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے کہ جنہیں گھروں سے نکالا گیا جن پر زیادتیاں کی گئیں اب وہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں اذن للذین سے شروع ہوتی ہے یہ آیتہ مبارکہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جہاد کی اجازت جس میں تھی۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ۔ (۳۹ ۔ ۲۲ الحج)۔ (مدیر)

سوال : تبلیغ میں نکل کر ہر عبادت کا ثواب انچاس کروڑ گنا ملتا ہے۔

جواب : انچاس کی کیا بات تھی بھائی ایک اور جمع کر کے پچاس کروڑ گنا تو کرتے یہ ثواب ہوتا کیا ہے اگر اس کی کوئی تعین نہیں تو کروڑ گنا ہونے کو کوئی کیا کرے گا۔ ثواب کیا ہوتا ہے ثواب تو کافر کو بھی ملے گا **ھَلْ ثُوِبَ الکفار ما کانوا یعملون۔** کافروں کو اور کیا ثواب ملے گا وہی ملے گا جو وہ کرتے ہیں ثواب ہوتا ہے بدلہ اجر تو کافر کی اجرت بھی ہے مومن کی اجرت بھی ہے کافر کی اجرت دنیا میں یہ ہے کہ ہر گناہ کے بدلے وہ کفر میں اور دھنستا چلا جائے مومن کی اجرت یہ ہے کہ عمل کردار اس کا نکھرتا چلا جائے ثواب کا اثر یہ ہوتا ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کے بارے میں فرمایا جو بدر میں شریک تھے کہ اہل بدر آج کے بعد جو جی چاہے کریں اللہ نے ان پر جنت واجب کر دی بڑی عجیب بات تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی جو جی چاہے کریں اس میں تو یہ بھی آجاتا ہے خواہ وہ کفر اختیار کر لیں جو جی چاہے کریں ڈاکہ ماریں برائی کریں جو جی چاہے کریں علمائے حدیث جو شرح کرتے ہیں اس حدیث کی تو وہ فرماتے ہیں کہ بدر میں شمولیت کا جو ثواب انہیں ملا اس سے ان کی زندگی اطاعت الٰہی کے سانچے میں ڈھل گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا جو جی چاہے کریں یعنی وہ کریں گے ہی وہی جو اہل جنت کو کرنا چاہئے جو ثواب کی تعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی وہ یہ ہے کہ بدر میں جانے کا جو انہیں ثواب ملا اس کی وجہ سے اللہ نے ان کی زندگی اپنی اطاعت کے مطابق ڈھال دی اور پھر دوسری جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد اگر اختلاف پر مشورہ کیا جائے پوری امت ایک طرف ہو اہل بدر میں سے ایک بندہ ایک طرف ہو تو اہل بدر کی رائے مانی جائے اس ایک بندے کی بات مانو اس لئے کہ وہ اسے وہ حفاظت الہیہ حاصل ہے وہ غلط بات نہیں کر سکتا جن جن کو پچاس کروڑ ثواب ملا ہے ان کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی ہے ہم نے تو کوئی نہیں دیکھی۔ کوئی ایک مثال پیش کیجئے کہ پہلے زندگی اس کی ایسی تھی اب ویسا ہو گا حقوق العباد میں ویسے ہی کوتاہیاں ہیں روزمرہ کے امور میں ویسے ہی کوتاہیاں ہیں تنخواہ اس جگہ سے لیتے ہیں اور کرنے چلے جاتے ہیں تبلیغ۔ یہ ساری باتیں سامنے ہیں کون سا اس میں انچاس کروڑ گنا کیسے ہو گیا انچاس کروڑ گنا تو تب تھا کہ اس بندے کی انچاس کروڑ گنا پہلے سے عملی زندگی میں اصلاح ہو جاتی اور محض انسانوں پہ وقت ضائع نہیں کرو زندگی دوبارہ نہیں ملے گی عملی زندگی مقصود ہے مومن سے عملی زندگی میں وہ کیا کر رہا ہے۔

سوال : لفظ شیخ سے کیا مراد ہے؟
جواب : بھئی شیخ کا مطلب تصوف کی اصطلاح ہے آپ ماسٹر کو جس طرح ماسٹر کہہ دیتے ہیں استاد کہہ دیتے ہیں تو شیخ بھی اسے کہہ دیا جاتا ہے جو تصوف سکھاتا ہے۔

مہدی سوڈانی

ضیاء تسنیم بلگرامی

آخری قسط

جنرل گارڈن کا خیال تھا کہ مہدی اور سوڈان کے لوگ ان مراعات سے بہت خوش ہوں گے اور جنرل گارڈن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے مگر مہدی نے جنرل گارڈن کی مراعات کو مسترد کر دیا اور اس کے تحائف واپس کر دیے اور لکھا " میں کفار سے کسی بخشش اور عطا کا روادار نہیں۔ تمہارے لیے بہتر ہے کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو اور دین اسلام کی پیروی اختیار کرو۔ اس سے تمہیں دنیا و آخرت میں سرخروئی حاصل ہو گی اور تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جان بچ جائے گی ورنہ یاد رکھو' اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو تم سب اپنی عزیز جانیں کھو بیٹھو گے۔"

جنرل گارڈن' مہدی کا خط پڑھ کر آپے سے باہر ہو گیا اور مہدی کو یہ مختصر جواب بھیج دیا " میں تم سے مزید خط و کتابت نہیں کر سکتا۔" جنرل گارڈن خرطوم پہنچ گیا۔

برطانوی افواج اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں کیونکہ جنرل گارڈن کے پہنچنے سے پہلے ان کی حالت بڑی مایوس کن تھی۔

خرطوم میں داخل ہونے کے بعد بہت جلد جنرل گارڈن کو اندازہ ہو گیا کہ اس نے یہاں آ کے غلطی کی ہے اور مہدی کسی وقت بھی خرطوم پر حملہ کر دے گا۔ بہ حالت محاصرہ وہ کب تک مہدی کا مقابلہ کر سکے گا' فی الحال اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا لیکن اس کے خیال میں ایک بات طے تھی کہ محصور خرطوم میں ضروریات زندگی وافر مقدار میں ہونا چاہئیں۔ کم از کم سال بھر کے عرصے میں جنرل گارڈن کو کہیں سے کمک مل سکتی تھی اور کمک کے ملتے ہی وہ شہر سے نکل کے مہدی سوڈانی کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ اسی منصوبہ بندی کے تحت جنرل گارڈن نے ضروری اشیاء کا ذخیرہ کرنا شروع کر دیا۔

جنرل گارڈن جانتا تھا کہ شہر خرطوم اپنے جائے وقوع کے لحاظ سے طبعی طور پر ایک قلعہ ہے۔ اس کے دو اطراف یعنی شمال اور مشرق دریائے نیل سے محیط ہیں۔ مغرب اور جنوب کی طرف نہایت مضبوط شہر پناہ ہے اور شہر پناہ کے باہر ایک نہایت گہری خندق ہے۔

یہاں جو برقی سلسلہ تھا اس کا تعلق قاہرہ سے تھا۔ مہدی نے ۱۸۸۴ء میں اس سلسلے کو منقطع کر دیا اور قاہرہ سے اس کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ قاہرہ کو جنرل گارڈن کی کوئی خبر نہ تھی اور جنرل گارڈن قاہرہ سے بے خبر تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز بھی انتشار میں مبتلا تھے اور مصری بھی پریشان نظر آ رہے تھے۔

دریائے نیل میں طغیانی آئی تو جنرل گارڈن نے کشتیوں کے ذریعے قاہرہ سے خط و کتابت کا سلسلہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے کرنل ہمل اسٹورٹ کو قاہرہ ایک خط بھیجا۔ اس جہاز میں انگریز سفیر پاور اور فرانسیسی سفیر بھی سفر کر رہے تھے۔

جہاز کا نام عباس تھا۔ جنرل گارڈن نے اپنی پریشان حالی کی ایک مفصل روداد قاہرہ بھیجی تھی مگر بدقسمتی سے یہ جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔

کرنل اسٹورٹ اور اس کے ساتھی کشتیوں میں سوار ہو کر کنارے پہنچ گئے۔ اس گاؤں کے لوگ انگریزوں سے بے حد نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ گاؤں والوں نے انہیں " فرنگی بے دین" کا لقب دیا اور قتل کر ڈالا۔ جنرل گارڈن کی روداد غم بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نابود ہو گئی۔

ان حالات میں مہدی کا لشکر خرطوم کے سامنے پہنچ گیا اور اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اندرون شہر لوگوں کی ہمدردیاں مہدی کے ساتھ تھیں۔ جنرل گارڈن ان کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس طرح اس کے خلاف بغاوت ہو سکتی تھی۔

انگلستان یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ جنرل گارڈن کا مصر سے رابطہ منقطع ہو چکا ہے اور جنرل گارڈن کو جس مقصد کے لیے خرطوم بھیجا گیا تھا وہ بھی پورا نہیں ہوا۔ سوڈان میں پھنسی ہوئی انگریزی فوجوں کو نکالنے کا منصوبہ بھی ناکام ہو چکا ہے۔

ان دنوں برطانیہ کے وزیراعظم گلیڈاسٹون تھے۔

گلیڈاسٹون نے اپنے دوستوں سے مشورے کے بعد ایک سب سے زیادہ تجربہ کار شخص کو اس مہم کو سر کرنے کے لیے منتخب کیا۔ یہ شخص اپنے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے لارڈ کا خطاب حاصل کر چکا تھا۔ اس کا نام تھا لارڈ ویلزلی۔

وزیراعظم برطانیہ نے لارڈ ویلزلی کو حکم دیا کہ وہ جس طرح بھی ممکن ہو، اپنی فوج اور جنرل گارڈن کو صحیح سلامت نکال لائے۔ حتی الامکان کوشش کی جائے کہ مہدی سے جنگ نہ ہو۔

گلیڈاسٹون نے لارڈویلزلی کو اپنی حکومت کا فیصلہ سنایا۔ " حکومت برطانیہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سوڈان کو خالی کر کے اس کی قسمت مہدی کے ہاتھ میں دے دی جائے اور مصر کی سرحد وادی حلفہ تک رہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ مہدی سے جنگ نہ کریں اور حکمت عملی سے اپنی افواج اور جنرل گارڈن کو سوڈان سے نکال لائیں۔"

لارڈویلزلی لندن سے روانہ ہوا اور ۹ ستمبر ۱۸۸۴ء کو اسکندریہ پہنچ گیا۔ اسکندریہ میں اس کے ہم وطن موجود تھے۔ وہ ان سے ملے بغیر ہی قاہرہ چلا گیا۔ یہاں انگریزی افواج کا سپہ سالار جنرل اسٹیفن سن عضو معطل کی طرح پڑا ہوا تھا۔ لارڈویلزلی نے اس سے ملاقات کی اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو اسٹیفن سن نے حکومت برطانیہ کے اس فیصلے پر اعتراض کیا کہ مہدی سے جنگ نہیں ہونی چاہیے۔ اس نے کہا " جناب! آپ جنگ کے بغیر کس طرح اپنی افواج کو سوڈان سے اور جنرل گارڈن کو خرطوم سے واپس لا سکتے ہیں؟"

لارڈویزلی نے جواب دیا " فوج تو میرے ساتھ رہے گی۔ جہاں کہیں جنگ کی ضرورت ہو گی، جنگ کی جائے گی اور جہاں کہیں اس کی ضرورت نہیں ہو گی، سیاسی حکمت عملیوں سے کام لیا جائے گا۔"

اور دونوں میں سوڈان تک پہنچنے کے راستوں پر بحث ہونے لگی۔

اسٹیفن سن نے لارڈویلز کو سمجھایا " اگر آپ خشکی کا راستہ اختیار کریں گے تو سواکن سے بربر تک دشواریوں کے باوجود پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ کو بربر سے خرطوم تک نیل کے ذریعے سفر کرنا پڑے گا اور یہ تقریباً چار سو اسی میل کا سفر ہو گا۔"

لارڈویلزلی نے بھی اپنا فیصلہ سنایا " جناب! اب تک ہمارے ساتھ جو کچھ پیش آیا اور ہمیں ہزیمتوں کا منہ دیکھنا پڑا ان کی وجہ یہی خشکی کے راستے ہیں۔ اس وقت مصری مسلمان ہمارے لیے ناقابل اعتبار ہیں۔ جب ہم خشکی کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو مہدی سوڈانی کو اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ یہاں کے چپے چپے سے واقف ہیں اور نہایت تیز رفتاری سے سفر کر کے ہمیں راستے میں ہی دبوچ لیتے ہیں۔ خشکی کا راستہ کتنا ہی قریب کا کیوں نہ ہو میں اس خطرے کو مول نہیں لوں گا۔ مجھے تو تم یہ بتاؤ کہ اگر میں یہ سفر دریائے نیل سے اختیار کروں تو مجھے کتنا فاصلہ طے کرنا پڑے گا؟"

اسٹیفن سن کو لارڈویلزلی کے اس فیصلے سے اختلاف تھا کیونکہ اس میں وقت کا زیاں پایا جاتا تھا۔ اس نے مایوسی سے جواب دیا " اگر آپ دریائے نیل سے یہ سفر اختیار کریں گے تو آپ کو ساڑھے سولہ سو میل کا سفر کرنا ہو گا اور یہ فاصلہ آپ بہت دنوں میں طے کریں گے اور کم از کم میں اس معاملے میں آپ سے اتفاق نہیں کروں گا۔ میں یہاں کی فوج انگریزی کا سپہ سالار ہوں اس لیے آپ تنہا اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

لارڈ ویلزلی نے حکومت برطانیہ کا وہ خفیہ فرمان اسٹیفن سن کے سامنے رکھ دیا جس میں اسٹیفن سن کو مطلع کیا گیا تھا کہ لارڈ ویلزلی مشورے کی حد تک تو پابند ہے کہ اسٹیفن سن سے مشورے کرے لیکن لارڈویلزلی پر یہ واجب نہیں کہ وہ اسٹیفن سن کے مشورے مان بھی لے۔ لارڈویلزلی کرے گا جو خودمناسب سمجھے گا۔

اس خفیہ فرمان نے اسٹیفن سن کو خاموش کر دیا لیکن اس نے لارڈویلزلی سے پوچھا "اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے یہ ضرور بتائیں کہ آپ نے خشکی کے مختصر ترین راستے پر آبی طویل ترین راستے کا انتخاب کیوں کیا؟"

لارڈویلزلی نے جواب دیا "مجھے اصولا" اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہیے۔ لیکن جواب دینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ مہدی سوڈانی کی طاقت خشکی کی حد تک ہے جس سے وہ متواتر فائدے اٹھا رہا ہے۔ اب ہمیں اس سے مقابلے کے لیے اس محاذ کا انتخاب کرنا چاہیے جو اس کے لیے نیا اور کمزور تر ہو۔ ہم دریائے نیل میں ساڑھے سولہ سو میل کا فاصلہ بے خوف و خطر طے کر جائیں گے۔ مہدی سوڈانی کے پاس ہمارا راستہ روکنے کے لیے نہ تو جہاز ہیں نہ کشتی ہے اور نہ بحری فوج اور میرے خیال میں ہم اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مہدی سوڈانی کو ہمیں الجھائے رکھنا چاہیے اور اس کے لیے ہم چھوٹی موٹی جنگوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے تاکہ اسے ہمارے اصل عزائم کا پتا نہ چلے۔"

اسٹیفن سن نے کہا "لیکن آپ کو تو مہدی سے جنگ کرنے سے روکا گیا ہے اور آپ مسلسل جنگ کی باتیں کیے جا رہے ہیں۔"

لارڈویلزلی نے جواب دیا "لیکن اپنے مقصد کی حصولیابی کے لیے ہر وہ کارروائی کروں گا جس سے مجھے میرا مقصد حاصل ہو جائے۔"

لارڈویلزلی بحری راستے سے خرطوم روانہ ہو گیا اور ۳ نومبر کو ڈنگولہ شہر کے کنارے پہنچ گیا۔

یہاں کا حاکم محمد یاور تھا اور لارڈویلزلی کی معلومات کے مطابق اس شخص نے مہدی کے خلاف زبردست مزاحمت کی تھی اور ڈنگولہ کو مہدویوں سے بچائے رکھا تھا۔

محمد یاور لارڈویلزلی کے استقبال کے لیے ساحل پر آیا۔ ساحل پر ہی لارڈویلزلی کے اعزاز میں شامیانے کھڑے کیے گئے اور انہی شامیانوں کے نیچے لارڈویلزلی نے محمد یاور کی پذیرائی کی اور کہا "بظاہر یہ میرے استقبال کی خوشی میں اہتمام ہوا ہے لیکن میں حکومت برطانیہ کی طرف سے ڈنگولہ کے لوگوں کو یہ بتانے آیا ہوں کہ ان کا حاکم محمد یاور بہت بہادر اور باتدبیر انسان ہے۔ اس نے ڈنگولہ کو مہدی اور درویشوں سے اب تک بچائے رکھا ہے۔ حکومت برطانیہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں محمد یاور کو بہادری کا تمغا دوں اور کے سی ایم جی کا خطاب دوں۔"

محمد یاور نے لارڈویلزلی کا شکریہ ادا کیا اور حکومت برطانیہ کی قدر افزائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا "میں اس عزت افزائی کا مستحق نہ تھا لیکن جو کچھ مجھے عطا ہوا ہے اس کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میں نے یہاں جو کچھ کیا ہے' اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے۔ کسی تمغے یا خطاب کے لالچ میں نہیں کیا۔"

محمد یاور نے محل میں جا کے غسل کیا اور دوسرا لباس پہنا۔ جس لباس میں اس نے لارڈویلزلی سے ملاقات کی تھی اور اس سے ہاتھ ملایا تھا' اس لباس کو اس نے آگ میں ڈلوا دیا کیونکہ اس کے خیال میں لارڈویلزلی سے ملنے اور ہاتھ ملانے اور اس سے لباس کے مس ہونے سے محمد یاور کا لباس ناپاک ہو گیا تھا۔ وہ پکا مسلمان تھا او رجو کچھ اب تک ہوا تھا اس پر شرمندہ تھا۔ وہ مہدی اور اس کے درویشوں کو پکا مسلمان سمجھتا تھا۔

لارڈویلزلی یہاں سے آگے روانہ ہو گیا۔

خرطوم میں جنرل گارڈن کو کچھ پتا نہ تھا کہ اس کی مدد کے لیے لارڈویزلی بڑھا چلا آ رہا ہے اسی لیے اس نے کسی ترکیب سے قاہرہ ایک پیغام بھیجا۔ یہ پیغام ۱۳ جولائی کو روانہ کیا گیا اور یکم نومبر کو پہنچا۔ اس پیغام میں لکھا تھا "ہم خیریت سے ہیں اور چار مہینے تک خرطوم کو اپنے قبضے میں رکھ سکتے ہیں۔"

حساب لگایا تو چار مہینے گزر چکے تھے۔ اب اسٹیفن سن اور دوسرے انگریزوں کو فکر لاحق ہو گئی کہ معلوم نہیں جنرل گارڈن اب کس حال میں ہوگا۔

دسمبر کے آخر میں لارڈویلزلی کورٹی نامی شہر کے سامنے پہنچ گیا۔ ابھی یہاں سے خرطوم بہت دور تھا۔ لارڈویلزلی نے یہاں سے حکومت کو لکھا "یہاں سے میں کچھ توقف سے سفر کروں گا کیونکہ مجھے سامان رسد جمع کرنے میں دشواریاں آ رہی ہیں۔ یہ سامان رسد میں جنرل گارڈن اور اس کے حامیوں کے

[illegible] کر رہا ہوں۔ وہاں رسد کی سخت قلت ہے اور گرد و نواح کا سارا ملک ویران ہو چکا ہے۔ بھاری سامان رسد کے بغیر خرطوم جانا کسی طرح مناسب نہیں۔"

کورٹی میں لارڈ ویلزلی نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کی معلومات کے مطابق کورٹی سے متمہ تک خشکی کا راستہ بالکل محفوظ تھا۔ متمہ سے کشتیوں کے ذریعے خرطوم پہنچا جا سکتا تھا۔ اس طرح راستے کی طوالت کم ہو جاتی تھی۔ وہ خود تو دریائے نیل کے ذریعے خرطوم کی طرف روانہ ہو گیا اور کچھ حصہ براہ خشکی متمہ بھیج دیا۔ جو دستہ خشکی سے سفر کر رہا تھا وہ میجر جنرل سرہربرٹ اسٹوئرٹ کے زیر احکام تھا۔

سر ہربرٹ نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے بارہ سو سپاہی اور دو ہزار اونٹ کورٹی سے ندگل نامی بندرگاہ کی طرف روانہ کر دیے کیونکہ اس بندرگاہ تک زیادہ فاصلہ نہ تھا اور اگر راستے میں کہیں درویشوں سے مڈھ بھیڑ بھی ہو جاتی تو ایک حصہ تو محفوظ رہتا۔

دوران سفر لارڈ ویلزلی کو جنرل گارڈن --------- کی طرف سے ایک پرزہ موصول ہوا۔ لانے والا کشتی میں آیا تھا۔ اس پرزے پر لکھا تھا " بہمہ وجوہ خرطوم میں خیریت ہے۔ سی جی گارڈن ۱۴ دسمبر ۱۸۸۴ء۔"

اس شخص نے لارڈ ویلزلی کو بتایا " پرزے کی عبارت مغالطے کے لیے ہے کہ اگر میں پکڑا جاؤں اور میرے پاس سے یہ پرزہ برآمد ہو جائے تو مہدی اور اس کے درویش اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ جنرل گارڈن اور اس کی فوج کے حوصلے بلند ہیں ورنہ آپ کے نام جنرل گارڈن کا زبانی پیغام یہ ہے جنرل گارڈن اور فوج کو قلت خوراک کی وجہ سے انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔ خوراک کا سامان ختم ہونے کے قریب ہے۔ کسی قدر میدہ اور تھوڑے سے بسکٹ باقی رہ گئے ہیں۔ ہمارے مدد کو جلد از جلد پہنچو۔"

اس شخص نے بتایا کہ دوسرا پیغام جنرل گارڈن نے اپنے کسی دوست کے پاس قاہرہ بھیجا ہے۔ یہ پیغام بھی مختصر اور زبانی تھا " بھائی! بس اب خاتمہ ہے۔ یقین ہے کہ ہفتے عشرے میں ہماری نئی مصیبتوں کا آغاز ہوگا۔ اگر اہل ملک ہماری مدد کرتے تو یہ نوبت نہ آتی۔"

○☆○

میجر جنرل سر ہربرٹ خشکی کے راستے سفر کر رہا تھا۔ یہاں کہیں انگریزی فوج کا کچھ حصہ پہلے سے موجود تھا اور اس نے روپوشی اختیار کر رکھی تھی۔ یہ فوج کرنل بارڈ کی نگرانی میں تھی۔ اسے کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ میجر جنرل سر ہربرٹ خشکی کے راستے سے متمہ کی طرف جا رہا ہے۔ کرنل بارڈ نے سوچا کہ اس کی اطلاع کے مطابق راستے میں جگہ جگہ درویش موجود ہیں۔ انہیں اس نئی انگریزی فوج کی آمد کی خبر ضرور ہو جائے گی اور میجر جنرل سرہربرٹ لاعلمی میں بلاوجہ مارا جائے گا۔ چنانچہ اس نے سرہربرٹ کو اطلاع بھیجی کہ آگے انہیں ابو کلیہ نامی ایک قصبہ ملے گا۔ اس قصبے کے شمال مشرق میں پہاڑیاں ہیں۔ ان پہاڑیوں پر مہدی کے درویش دیکھے گئے ہیں۔

جنرل سرہربرٹ کو جب یہ پیغام ملا اس وقت وہ ابو کلیہ پہنچ چکا تھا مگر اس پیغام نے جنرل کو خبردار ضرور کر دیا تھا۔

مہدی سوڈانی کے آدمیوں نے بھی اس لشکر کو متمہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس کی گھات میں بیٹھ گئے تھے۔ ابھی سرہربرٹ نے مزید تین چار میل کا راستہ طے کیا ہو گا کہ اچانک درویشوں نے حملہ کر دیا۔

۱۷ جنوری کو صبح ان دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی۔ اس جنگ میں سر ہربرٹ کو ایسا زخم لگا کہ وہ گھوڑے سے زمین پر آ گیا اور اس کی کمان سر چارلس ولسن نے سنبھال لی۔

جنگ نے خوفناک شکل اختیار کر لی۔ اب سر چارلس ولسن نے فیصلہ کیا کہ اس جگہ کو فوراً چھوڑ دینا چاہیے۔ اور کچھ فوج کو درویشوں کے ساتھ الجھا کر کسی طرح دریائے نیل کے ساحل تک پہنچ جانا چاہیے۔

درویشوں نے بطور خاص میجر جنرل سرہربرٹ پر حملہ کیا وہ اس شخص کو خرطوم کسی طرح بھی نہیں پہنچنے دینا چاہتے تھے۔ اس مہم میں میجر جنرل سرہربرٹ کی فوج کے ساتھ بہت سے اخباری نمائندے بھی سفر کر رہے تھے۔

درویشوں نے اتنا بھرپور حملہ کیا کہ جنرل سرہربرٹ اپنی کامیابی کی طرف سے مایوس ہو گیا۔ زخمی تو وہ تھا ہی درویشوں نے انگریزی فوج کا صفایا کرتے ہوئے سر ہربرٹ کو قتل کر دیا۔

چارلس ولسن مایوسی کے عالم میں مصروف سپاہیوں کو کچھ بتائے بغیر کچھ حصہ فوج کا لے کر وہاں سے نیل کے ساحل کی طرف فرار ہو گیا۔

۲۱ جنوری ۱۸۸۵ء کو چار جہاز مصر کی طرف آتے دکھائی دیے۔ یہ دخانی جہاز تھے۔ مصری سمجھے کہ یہ خرطوم سے فتح کی

خبر لے کر آئے ہیں اور انہیں اس خیال سے بے حد خوشی ہوئی لیکن یہ تاجروں کے جہاز تھے۔ ان کے پاس جنرل گارڈن کا ایک رقعہ بھی تھا۔ یہ رقعہ ۲۹ دسمبر ۱۸۸۴ء میں لکھا گیا تھا۔ اس میں جنرل گارڈن نے لکھا تھا " ہم خرطوم میں بالکل امن و عافیت سے ہیں اور کئی سال تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔"

مگر زبانی حقیقی پیغام یہ تھا " میں نے خرطوم کو بچانے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا لیکن اب ماننا پڑتا ہے کہ ہماری حالت بہت نازک ہو گئی ہے اور ہمیں چاروں طرف سے یاس و قنوطیت نے گھیر رکھا ہے۔ میں یہ بات اپنی حکومت سے ناراضگی کی بنا پر شکایتاً نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حقیقت حال سے آگاہ کر رہا ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر خرطوم دشمن کے پاس چلا جائے تو ہم کسالہ نامی جگہ پر بھی اپنے قبضے کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔"

جہاز بوردین کے مصری افسر عبدالحمید بے نے کسی طرح سر چارلس ولسن کو یہ پیغام بھیج دیا کہ خرطوم کے محصورین کی حالت بہت نازک ہے اور جنرل گارڈن کی فوج حکومت کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکی ہے اس لئے جتنی جلدی ممکن ہو وہ خرطوم پہنچ جائے۔ یہ کام دس دن کے اندر اگر انجام پہنچ جائے تو مناسب ہو گا اس کے بعد کمک کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۲۳ جنوری کو سارا دن روانگی کی تیاریاں ہوتی رہیں اور ۲۴ جنوری کو چند جہاز خرطوم کی طرف روانہ ہو گئے۔

۲۵ جنوری کا دن گزرا تو شہریوں نے مہدی سوڈانی کو ایک خفیہ پیغام بھیجا کہ جنرل گارڈن اپنی فوج کو جھوٹے دلاسے دے دے کر خود جھوٹا قرار پا چکا ہے اور اب فوج اس کی کسی بات کا اعتبار کرنے کو تیار نہیں اس لیے اسے ایک فیصلہ کن حملہ کر دینا چاہیے۔

اس پیغام کے ساتھ ہی مہدی کی توپوں نے آگ اگلنا شروع کر دی اور خرطوم کا حملہ زدہ علاقہ کرۂ نار بن گیا۔

شہر کی عیسائی آبادی بہت پریشان تھی اور ایک مشہور تاجر مارونی حقیقت حال جاننے کے لیے جنرل گارڈن سے ملنے گیا۔ محافظوں نے اسے روک دیا تو مارونی نے اپنے نام اور حیثیت سے محافظوں کو مطلع کیا اور کہا " تم جنرل گارڈن کو میرے بارے میں بتاؤ کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

جنرل گارڈن کو عیسائی تاجر کا یہ پیغام جیسے ہی ملا اس نے فوراً اسے اندر بلوا لیا۔

اس وقت جنرل گارڈن دیوان خانے میں بہت اداس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مارونی کو دیکھ کر اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ بس ایک اچٹتی ہوئی نظر تاجر پر ڈالی اور پوچھا " کیا بات ہے، تم مجھ سے کیوں ملنے آئے ہو؟"

مارونی نے جواب دیا " ایک خبر ہے کہ کرنل چارلس ولسن عنقریب کمک لے کر پہنچنے والا ہے۔ آپ اپنی فوج کو مقابلے کا حکم کیوں نہیں دیتے۔ آپ کی فوج کے پاس اتنا سامان تو ہو گا کہ وہ دو تین دن مہدی سوڈانی کو آگے بڑھنے سے روک دے۔"

جنرل گارڈن نے جواب دیا " میں کئی مہینوں سے اپنے ساتھیوں کو یقین دلا رہا ہوں کہ کمک آنے والی ہے مگر ہر بار جھوٹا ٹھہرتا ہوں۔ اگر میں اب بھی یہی تسلی دوں گا تو میرے آدمی اس بات پر یقین نہیں کریں گے اس لیے خاموش ہوں اور کوئی حکم نہیں دیتا۔"

مارونی نے جنرل گارڈن کو یقین دلایا " لیکن اس بار یقینی ہے کہ کمک دو چار دن کے اندر پہنچ جائے گی۔"

جنرل گارڈن اس وقت بہت مایوس تھا پھر بھی اس نے چند افسروں کو بلوایا اور انہیں حکم دیا " تمہارے پاس جتنے آدمی ہوں ان کو لے کر جاؤ اور مقابلہ شروع کر دو۔ تمہاری کوشش یہ رہے کہ ہمت نہ ہارو اور جب تک ممکن ہو، حوصلے اور استقلال سے مقابلہ کرتے رہو۔"

فوجی افسر چلے گئے لیکن کسی قسم کا مدافعانہ مقابلہ نہیں کیا اور مارونی نے یہ بھی محسوس کیا کہ جنرل گارڈن بہت خوفزدہ ہے کیونکہ اس کی گفتگو کے انداز سے معلوم یہ ہو رہا تھا کہ وہ کہنا کچھ چاہ رہا ہے اور منہ سے نکلتا کچھ ہے۔

مارونی نے اس کو تسلی دی " جناب! آپ نامی گرامی فوجی ہیں۔ آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ ہی نے اتنی دل برداشتگی کی باتیں کیں تو فوجی آپ سے بھی پہلے ہمت ہار جائیں گے۔"

جنرل گارڈن چڑ سا گیا اور مارونی سے کہا " جا تو اپنا کام کر اور مجھے سگار پینے دے۔"

پھر وہ سگار پینے میں مصروف ہو گیا۔

چند دن پہلے بھی مارونی جنرل گارڈن سے مل چکا تھا۔ اس وقت جنرل گارڈن کے سر کے بال سیاہ تھے لیکن اب تفکرات نے اس کے سارے بال سفید کر دیے تھے۔

کچھ دیر بعد جنرل گارڈن اٹھا اور اپنی فوج کی جوابی کارگزاری دیکھنے لگا۔ وہ اپنے سپاہیوں کی ہمت بندھانے میں مشغول ہو گیا لیکن اب اس کی فوج نے لڑنے سے انکار کر دیا تھا اور کچھ ہی دیر بعد مہدی سوڈانی کی فوجیں شہر میں داخل ہونے لگیں۔ ہر طرف شور وغل مچ گیا اور مہدی کے درویش جنرل گارڈن کو تلاش کرتے ہوئے دیوان خانے میں داخل ہو گئے۔ انہیں جنرل گارڈن کی تلاش تھی۔

کسی مقامی مسلمان نے درویشوں کو بتایا " دیوان خانے کی چھت پر مہدی کے آدمی جسے تلاش کر رہے ہیں وہ دیوان خانے میں ہو سکتا ہے۔"

کیونکہ پہلے انہیں دھوکا دیا گیا تھا اور انہیں چھت پر بھیج دیا گیا تھا جبکہ چھت پر جنرل گارڈن کے محافظوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی لیکن خود جنرل گارڈن وہاں نہیں تھا۔

یہ درویش جیسے ہی اوپر پہنچے' محافظوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ درویشوں کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے اور سارے کے سارے قتل کر دیے گئے۔

دوسری طرف دوسرے درویش سرکاری عمارتوں پر سے مصری اور برطانوی پرچم اتارنے لگے۔ ان کی جگہ اپنے پرچم نصب کرتے جا رہے تھے۔

جنرل گارڈن نے اپنی کمین گاہ سے دیکھا کہ گورنمنٹ ہاؤس اور گورنر کی کوٹھی پر مہدی کے پرچم لہرا رہے تھے۔

ان دونوں جگہوں پر لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ جنرل گارڈن اگر فرار ہونا چاہتا فرار ہو سکتا تھا مگر وہ درویشوں سے اپنی جان نہیں بچا سکتا تھا اس لیے مجبوراً لوگوں کے ہجوم میں گورنمنٹ ہاؤس میں داخل ہو گیا۔ اس وقت مارونی اس کے ساتھ تھا۔

جنرل گارڈن نے مارونی کو مشورہ دیا " اب تجھ کو یہاں سے چلا جانا چاہیے کیونکہ اصل خطرے کی گھڑی آ پہنچی۔"

مارونی نے نہایت احتیاط سے جواب دیا " خطرات مجھے نہیں آپ کو ہیں کیونکہ لوگ آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ میں تو اسی شہر کا تاجر ہوں۔ لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔"

جنرل گارڈن گورنمنٹ ہاؤس کے کمرے میں جا کے بیٹھ گیا۔ یہاں جو لوگ موجود تھے انہوں نے بتایا کہ اوپر چھت پر درویشوں نے مورچا بنا لیا ہے اور انہیں صرف اس کی تلاش ہے۔

اتنے میں کئی درویش نیچے آ گئے لیکن یہ درویش معلوم نہیں کیوں گارڈن کے کمرے میں داخل ہونے سے گریز کر رہے تھے۔

ان درویشوں کے ساتھ چند مقامی آدمی بھی تھے۔ ان میں سے کسی ایک نے مارونی کو اندر دیکھا اور پہچان لیا۔

اس مقامی آدمی نے مارونی سے پوچھا " اندر کون کون ہے؟"

مارونی نے جواب دیا " صرف ہم لوگ۔"

مارونی سے دوسرا سوال کیا گیا " اندر کسی قسم کا بارودی ذخیرہ تو نہیں ہے؟"

ابھی دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا کہ کئی قوی ہیکل درویش آئے اور ادھر ادھر کچھ تلاش کرنے لگے۔ شاید وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ یہاں بھی جنرل گارڈن کے کچھ محافظ موجود ہیں یا نہیں اور جب میدان صاف دیکھا تو چار قوی ہیکلوں میں سے ایک نے کہا " ملعون تیری زندگی کا آخری دن آ گیا۔"

اس کا مخاطب جنرل گارڈن تھا۔ ایک درویش نے جنرل گارڈن پر نیزے سے وار کیا۔ اسے اس نے اپنے ہاتھ پر روکا۔

دوسرے درویش نے اس کے سینے پر نیزے کا وار کیا جو دوسری طرف نکل گیا اور جنرل گارڈن تڑپنے لگا۔

تیسرا درویش آگے بڑھا اور جنرل گارڈن کا سر کاٹ کے رومال میں باندھ لیا۔

ایک درویش نے مارونی پر حملہ کرنا چاہا تو کسی مقامی شخص نے کہا " اسے مت مارو۔ یہ یہاں کا مشہور تاجر مارونی ہے۔"

چاروں درویش جنرل گارڈن کا سر لے کر مہدی کے پاس پہنچے لیکن مہدی سے پہلے ان کا سلاتین پاشا سے سامنا ہو گیا۔

یہ ۲۶ جنوری کی صبح تھی۔ اس وقت سلاتین پاشا بہت پریشان تھا۔ چاروں طرف سے شور وغل کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور سلاتین پاشا اس شور وغل سے اتنا ضرور سمجھ گیا کہ یہ خوشی کے نعرے ہیں۔

جب چاروں درویش وہاں پہنچے تو سلاتین پاشا بے حد پریشان تھا۔ سلاتین پاشا نے ان سے پوچھا " یہ خوشی کے نعرے کیوں بلند ہو رہے ہیں؟"

ایک درویش نے کہا " اتنا انجان نہ بن۔ خرطوم فتح کر لیا گیا ہے اور جنرل گارڈن مارا گیا۔"

اس کے بعد اس نے جنرل گارڈن کا کٹا ہوا سر کپڑے سے نکال کے سلاتین پاشا کے سامنے رکھ دیا اور کہا "یہ تیرے چچا کا سر ہے جو حضرت مہدی آخر الزماں پر ایمان نہیں لاتا تھا۔"

سلاتین پاشا نے افسوس کرتے ہوئے کہا "جنرل گارڈن بہت خوش نصیب تھا کہ جس کی موت نے اس کے مصائب کا خاتمہ کر دیا۔"

درویش نے حیرت سے کہا "تو اس ملعون کی تعریف کر رہا ہے حالاں کہ تو مسلمان ہو چکا ہے۔ اگر تیرے ایمان میں کچھ کھوٹ ہے تو تو بھی بہت جلد اس کا خمیازہ بھگتے گا۔"

بالکل اتفاق کی بات ہے کہ اسی رات چارلس ولسن کے جہاز خرطوم کے سامنے پہنچ گئے مگر اب یہ مہدی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے تھے، مجبوراً وہ وہاں سے ٹل گیا۔

یہ خبریں انگلستان پہنچیں تو وہاں کہرام برپا ہو گیا اور وہاں کے عوام نے جنرل گارڈن کی ہلاکت کی ذمے داری حکومت کے سر ڈال دی اور کہا "اگر بروقت کمک پہنچ جاتی تو جنرل گارڈن زندہ بچ جاتا۔"

حکومت نے چارلس ولسن سے جواب طلب کیا تو اس نے جواب دیا "میں ۲۴ جنوری کو جنرل گارڈن کی مدد کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اگر میں چاہتا بھی تو ۲۶ جنوری کی دوپہر سے پہلے ہرگز نہ پہنچ سکتا اور کورٹی سے جو حصہ براہ نیل خرطوم روانہ ہوا تھا اس کو بھی مزاحمتوں کا سامنا رہا۔ آخر بیکان کے مقام پر ایک معرکہ ہوا۔ اس میں ہمارا جنرل ارل مارا گیا تھا اور لارڈ ویلزلی کو نہایت محتاط ہو جانا پڑا پھر میں نے ہی واپس جا کے لارڈ ویلزلی کو خرطوم پر مہدی کے قبضے اور جنرل گارڈن کے قتل کئے جانے کی خبر دی۔ لارڈ ویلزلی جہاں تھا وہیں رک گیا کیونکہ اب خرطوم پر قبضے کے بعد لارڈ ویلزلی کا آگے جانا فضول تھا۔"

یہی تفصیل لارڈ ویلزلی نے اپنی حکومت کو لکھ کر بھیج دی اور اس سے دریافت کیا "اب میرے لیے کیا حکم ہے اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

گورنمنٹ نے جواب دیا "اب آپ دریائے نیل ہی کے راستے سواکن کی طرف بڑھیں اور کوشش کریں کہ بربر کا علاقہ مہدی کے قبضے میں نہ جانے پائے۔ اگر ہم اس میں بھی ناکام رہے تو دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر مہدی قابض ہو جائے گا اور بحیرۂ احمر کا علاقہ بھی خطرے میں پڑ جائے گا اور اس کی کارروائیاں مصر کی حدود میں شروع ہو جائیں گی۔"

برطانوی حکومت نے بطور خاص مہدی کے سپہ سالار عثمان دغنہ کا ذکر کرتے ہوئے ہدایت کی "یہ خطرناک جنرل ہمارے لیے درد سر بن گیا ہے۔ سواکن اور بربر کے محاذ مہدی نے اسی کے سپرد کر دیئے ہیں اور یہ خطرناک شخص ہمیں اور مصر کو کئی بار شکستوں سے دوچار کر چکا ہے۔ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھو اور بربر کو بچانے کی کوشش کرو۔"

لارڈ ویلزلی نے اپنے جہازوں کا رخ موڑ دیا اور بربر کو بچانے کے لیے شمال کی طرف روانہ ہو گیا۔

لارڈ ویلزلی تو قاہرہ چلا گیا اور یہاں سواکن اور بربر مہم بھیجنے کی تیاری کرنے لگا۔

تھوڑے سے عرصے میں تیرہ ہزار کی فوج تیار کر لی گئی۔ اس فوج میں چار ہندوستانی پلٹنیں، ایک ہندوستانی رسالہ اور ایک پلٹن آسٹریلیا کی بھی شامل تھی۔ اونٹوں کی بھی کثیر تعداد تھی۔ اس پوری مہم کا کمانڈر جنرل جیرالڈ گراہم کو مقرر کیا گیا تھا۔ ہندوستانی فوج جنرل ہڈسن کے ماتحت تھی۔

سواکن میں کچھ انگریزی فوج پہلے سے موجود تھی۔ ایک اندازے کے مطابق اس فوج میں دس ہزار سپاہی، پانچ سو افسر، پونے سات ہزار گھوڑے، پونے تین ہزار اونٹ، آٹھ سو خچر اور پونے تین ہزار خدمت گار اور ٹھیکے داروں کے آدمی تھے۔

لارڈ ویلزلی نے جنرل گراہم کو ہدایت کی تھی کہ وہ سب سے پہلے عثمان دغنہ اور اس کی فوج کا صفایا کرے۔ اس کے بعد جنگل کا صفایا کرے تاکہ ریلوے لائن بچھائی جائے اور ریل کے ذریعے فوجوں کی آمدورفت کے لیے سہولت پیدا ہو جائے کیونکہ اس کے بغیر سواکن اور بربر پر وہ اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ اگر انہیں مہدی سوڈانی اور اس کے درویشوں کا کامیاب مقابلہ کرنا تھا تو ان کا مواصلاتی نظام بہت اچھا ہونا چاہیے تھا۔

۲۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو جنرل گراہم دس ہزار سپاہ کے ساتھ آگے بڑھا اور سوکان کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں مہدی کی پیدل سپاہ ہندوستانی پلٹن بنگال لانسرز کی گھڑسوار فوج پر ٹوٹ پڑی اور ان کا یہ حملہ اتنا شدید اور خطرناک تھا کہ ہندوستانی پلٹن حواس باختہ ہو کر پیچھے مڑی اور راہ فرار اختیار کی۔ اس کو روکنے کی بڑی کوشش کی گئی مگر وہ نہیں رکی۔

جنرل گراہم نے دوسری طرف پورا بریگیڈ درویشوں کی

طرف بڑھایا۔ اس بریگیڈ سے ڈیڑھ سو درویش بھڑ گئے اور اس کو پسپا کر دیا۔

جنرل گراہم بھی ہمت ہارنے والا سپہ سالار نہ تھا۔ وہ خود آگے بڑھا اور سواکن اور تمائی کے مابین فوجی کیمپ قائم کیا۔ اس کیمپ کی حفاظت کے لیے فوج نے لکڑیوں سے ایک احاطہ تیار کیا۔ یہاں کہیں درویشوں کا دور دور پتا نہ تھا اس لیے جنرل گراہم ٹھیکے داروں اور ان کے مزدوروں کی مدد سے جنگل سے لکڑیاں کٹوا کے اکٹھا کرنے لگے۔ انہی لکڑیوں سے احاطہ تیار کیا جا رہا تھا۔ ابھی احاطے کا تھوڑا سا حصہ تیار ہوا تھا کہ ایک انگریز مخبر گھوڑے پر سوار بھاگتا ہوا آیا اور ان کو خبر دی کہ مہدی کا ایک عظیم الشان لشکر ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

اس خبر سے جنرل گراہم کی فوج میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی اور جس کا جدھر منہ اٹھا' اسی طرف راہ فرار اختیار کی یہاں تک کہ کچھ لوگ بھاگ کے سواکن میں داخل ہو گئے۔ سواکن پر عثمان دغنہ کا قبضہ تھا۔ اس نے ان برطانوی سپاہیوں سے پوچھا " تم لوگ یہاں کیسے آ گئے؟"

انہوں نے بدحواسی میں جواب دیا " جو انگریزی فوج سواکن اور تمائی کے درمیان کیمپ بنانے میں مشغول تھی اور لکڑیوں کا ایک احاطہ تیار کر رہی تھی اس کو درویشوں نے بالکل تباہ و برباد کر دیا۔"

اس خبر سے عثمان دغنہ کو حیرت ہوئی اور ہنسی بھی آئی کہ برطانیہ کے سپاہی درویشوں کی جس فوج کا ذکر کر رہے ہیں' عثمان دغنہ نے ایسی کوئی فوج انگریزوں کے مقابلے کے لیے نہیں روانہ کی تھی۔ یہ مہدی اور درویشوں کی دہشت تھی جو افواہ کی شکل میں اپنا کام کر گئی۔

۳ اپریل ۱۸۸۵ء کو جنرل گراہم خود آٹھ ہزار کی فوج لے کے تمائی کی طرف بڑھا اور دوسری طرف سے سر جان میک نیل کو فوج دے کر آگے بڑھایا۔ یہ لوگ یہاں کے راستوں سے واقف نہ تھے اور کوئی مقامی آدمی ان کی رہبری کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔

سر جان میک نیل آگے بڑھا تو اچانک سواکن کے ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گیا جہاں دور دور تک درختوں کا کوئی وجود نہ تھا اور کھلے آسمان کے نیچے زمین تپ رہی تھی۔

سر جان میک نیل نے اپنے کئی آدمی ادھر ادھر روانہ کئے کہ وہ پتا لگائیں کہ یہاں کہیں پانی کے ذخائر ہیں یا نہیں۔

یہ لوگ ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے تھے کہ انہیں ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آیا۔

گاؤں والوں سے بات کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس گاؤں جیسے چند گاؤں اور ہیں لیکن پانی کی قلت کی وجہ سے عنقریب یہ چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی اجڑ جائیں گے۔ گاؤں والوں نے انگریزوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا " اگر یہاں پانی ہوتا تو یہاں درخت بھی ہوتے اور درخت ہوتے تو یہاں قصبے اور شہر آباد ہو چکے ہوتے۔"

انہیں ایک جگہ چند خالی خیمے نظر آئے تو انگریزوں نے گاؤں والوں سے ان خالی خیموں کے بارے میں دریافت کیا " ان میں کون رہتا تھا جو انہیں چھوڑ کر چلا گیا؟"

گاؤں والے خاموش رہے مگر ایک بوڑھے نے پوچھا " تم لوگ یہ ساری معلومات کیوں حاصل کر رہے ہو؟"

ایک انگریز نے جواب دیا " ہم یہاں مہدی اور درویشوں کی تلاش میں آئے ہیں۔ اگر تمہیں ان کا پتا معلوم ہو تو ہمیں بتاؤ ہم ان کو تباہ و برباد کر کے آگے بڑھیں گے۔"

بوڑھے نے جواب دیا۔ " یہ خالی خیمے جو تجھ کو نظر آ رہے ہیں ان میں کئی دن پہلے تک عثمان دغنہ اپنے درویشوں کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا اب وہ کسی اور طرف چلا گیا اور یہ خیمے خالی رہ گئے۔"

انگریز نے بڑے میاں سے پوچھا " محمد احمد کے بارے میں تم سب کا کیا عقیدہ ہے۔ وہ خود کو مہدی کہتا ہے یا تم لوگ اسے ایسا سمجھتے ہو؟"

بڑے میاں کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور جواب دیا " ہم مہدی آخر الزماں کو مہدی ہی کہیں گے۔ اس کے علاوہ کیا کہیں گے؟"

انگریز کو بے حد غصہ آیا۔ اس وقت تو کچھ نہیں بولا لیکن واپس جا کر سر جان میک نیل کو ساری تفصیل بتائی اور کہا " یہاں دور دور تک پانی کی قلت ہے اور یہاں کا ہر شخص مہدی پر ایمان لا چکا ہے۔"

سر جان میک نیل نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا " وہاں تو نے کتنے خالی خیمے دیکھے؟"

انگریز مخبر نے جواب دیا " بمشکل بیس خیمے رہے ہوں گے۔"

سر جان میک نیل نے دوسرا سوال کیا " اور گاؤں میں

کتنے گھر ہیں؟"

انگریز مخبر نے جواب دیا "بمشکل پندرہ سولہ۔"

سرجان میک نیل نے پوچھا "وہاں اس قسم کے اور کتنے گاؤں ہیں؟"

انگریز مخبر نے جواب دیا "شاید دو تین گاؤں اور ہوں گے لیکن یہ سب دور دور واقع ہیں۔"

سرجان میک نیل کچھ سوچتا رہا لیکن اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ مہدی' عثمان دغنہ اور درویشوں سے خوف زدہ ہے۔ عثمان دغنہ کا کیمپ خالی کیوں پڑا تھا اور وہ اسے کیوں خالی کر گیا' کہیں اس میں عثمان دغنہ کی کوئی چال نہ ہو اور اس کا لشکر انگریزی فوج کا محاصرہ کرنے میں مشغول نہ ہو۔

اس کے پورے جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا کہ اگر عثمان دغنہ اور درویشوں نے اس کو اور آگے جانے پر مجبور کر دیا تو یہ برطانوی فوج اس بے آب و گیاہ ویرانے میں تباہ و برباد ہو جائے گی۔

اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور ہر ایک نے یہی رائے دی کہ انہیں اپنی ہلاکت کا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔

سرجان میک نیل ایک فوجی دستے کے ساتھ اپنے انگریز مخبر کو لے کر مذکورہ گاؤں گیا اور وہاں عثمان دغنہ کے خالی خیمے بھی دیکھے اس نے غصے میں خیموں کو آگ لگا دی۔ گاؤں والوں کو قتل کر کے گھروں کو جلا کر خاک کر دیا۔

اب یہ سپاہ اور پیچھے ہٹ گئی اور اس نے جنرل گراہم کو حالات کی سنگینی کا احساس دلاتے ہوئے لکھا "ہمیں ایسا لگتا ہے کہ ہم سب موت کی وادی میں دھکیل دیے گئے ہیں۔ یہ پورا علاقہ عثمان دغنہ نامی ایک بلائے بے درماں کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔ وہ مقامی آبادی کی حمایت کی وجہ سے یہاں کے چپے چپے سے واقف ہے اور ہم سب پھونک پھونک کے قدم اٹھانے پر مجبور ہیں۔ میری ذاتی رائے کے مطابق ہم کتنی ہی کوشش کر لیں' سواکن اور بربر پر قبضہ نہیں حاصل کر سکتے۔ اگر ہم نے زیادہ دلیری دکھائی اور مذکورہ بالا امور پر غور کیے بغیر اپنی مہم جاری رکھی تو وہ دن دور نہیں جب ہم سب وادی ہلاکت میں اتر جائیں گے اس لیے فی الحال ہمیں کچھ وقت قاہرہ میں صلاح و مشورے پر صرف کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اپنی حکومت سے مشورہ کر کے مہدی اور اس کے درویشوں سے نمٹنا چاہیے۔"

جنرل گراہم نے سرجان میک نیل کے مشوروں کو نظر انداز کر دیا اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "یہ شخص مہدی اور اس کے درویشوں سے خوف زدہ ہے اسی لیے میدان چھوڑ کے بھاگ رہا ہے لیکن ہم نہ تو اس کی طرح سوچتے ہیں اور نہ اس کی طرح کم ہمت ہیں۔ ہمیں ہر حال میں اپنے منصوبے پر عمل کرنا ہے۔ یعنی جنگلات کا صفایا اور ان صاف مقامات پر ریل کی پٹریاں بچھانا تاکہ سواکن کے بڑے حصے پر ریل کا جال بچھا کے اپنی فوجوں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع کر سکیں۔"

جنرل میک نیل نے اپنے طور پر جنرل گراہم کی تجاویز کا مذاق اڑایا لیکن بہرحال وہ جنرل گراہم کا ماتحت تھا اور اپنی مرضی سے قاہرہ واپس نہیں جا سکتا تھا۔

جنرل گراہم نے جنگلات کی صفائی کا کام شروع کر دیا۔ ریل کی پٹریاں بچھانے کا کام بھی شروع ہو گیا لیکن عثمان دغنہ کو بھی جنرل گراہم کے منصوبوں کا علم تھا۔ اس نے پہلے تو جنگلات کا صفایا کرنے والوں کا صفایا کرنا شروع کر دیا پھر ریل کی پٹریوں کا سامان چھین کے ادھر ادھر ضائع کرنا شروع کیا۔

ان حالات میں جنرل گراہم اپنا کام جاری نہ رکھ سکا اور اس نے قاہرہ میں لارڈویلزلی کو ساری تفصیل لکھ بھیجی اور مشورہ لیا کہ اب وہ اپنے منصوبے پر کس طرح عمل کرے؟

لارڈویزلی کو اپنی ہزیمتوں پر غصہ آ رہا تھا۔ اس نے ان سب کو نااہل قرار دے دیا اور فیصلہ کیا کہ یہ کام وہ خود کرے گا۔

یہ خبریں برطانیہ بھی پہنچ رہی تھیں اور حکومت برطانیہ بھی اس مسئلے پر پوری توجہ دے رہی تھی۔ اسے جنرل میک نیل کی تجاویز سے اتفاق تھا۔ حکومت برطانیہ نے حکم دیا کہ سواکن اور بربر میں ریل کی پٹریاں بچھانے کا منصوبہ ترک کیا جائے اور وہ سارا سامان جو ریل کی پٹریاں بچھانے کے لیے سواکن اور بربر بھیجا گیا تھا اسے واپس روانہ کر دیا جائے۔

جنرل گراہم کو اپنے منصوبے کی ناکامی پر بے حد افسوس ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ عثمان دغنہ اس سامان کو روکنے کی فکر میں ہے مگر تھوڑے سے نقصان کے بعد وہ کچھ سامان واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔

جب آخری گاڑی یہ سامان لے کر جا رہی تھی تو عثمان دغنہ نے اس کا پیچھا کیا اور اپنی فتح مندی کا اظہار چند فائر کر

کے کیا۔

اب بلا شرکت غیرے مہدی کی حکومت پورے سوڈان پر ہو گئی تھی۔

یہ قدرت کی کرشمہ سازی تھی کہ ہر طرف تو برطانوی استعماری پرچم لہرا رہا تھا لیکن سوڈان میں اس پرچم کو سرنگوں ہونا پڑا تھا۔ انگریزوں کے وسائل بہت زیادہ تھے۔ ان کے پاس سامان جنگ کی بھی کمی نہ تھی۔ گولہ بارود' توپیں' بندوقیں' اونٹ' گھوڑے اور خچر سبھی کچھ تو ان کے پاس تھا۔ اپنی فوج کے علاوہ نو آبادیاتی ملکوں کی فوجیں بھی ان کے ایک اشارے پر کٹ مر رہی تھیں لیکن وہ پھر بھی سوڈان میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔

جب کہ مہدی کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ایک کشتی ساز کا بیٹا جس سے کوئی واقف بھی نہ تھا' مہدویت کا دعویٰ کرتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنے علم ' اپنے پیغام' اپنے کردار سے پورے سوڈان کے دلوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور ایک ایسی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے جس کو یہ زعم تھا کہ اس کی مملکت کی حدود میں کبھی سورج نہیں ڈوبتا۔ آج وہ عظیم الشان قوت مہدی کے درویشوں کے مقابلے میں نادم و شرمسار تھی۔

لارڈ ویلزلی کو اپنی حکومت سے اختلاف ہوا۔ وہ اب بھی مہدی سوڈانی سے جنگ جاری رکھنے کے حق میں تھا۔ معلوم نہیں لارڈ ویلزلی کو اپنی کامیابی کا کیوں یقین تھا۔ اس زمانے میں ہندوستان اور آسٹریلیا کی فوجیں دنیا بھر میں بہترین تصور کی جاتی تھیں اور یہ فوجیں جن جنرلوں کی ماتحتی میں لڑ رہی تھیں وہ بھی بڑے نامور اور مشہور لوگ تھے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے مہدی کی سلطنت چار سو میل تک پھیل گئی۔ ایک طرف اس کی سرحد حبشہ تک تھی اور مغرب کی جانب صحرائی میدان حد فاصل تھا۔ اتنی بڑی سلطنت قائم کرنے کے باوجود مہدی کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ خود فقر و فاقہ میں گزر بسر کرتا تھا اور دوسروں کو اسی طرح گزر بسر کرنے کی تلقین کرتا تھا۔ ہر روز رات کو وعظ دیتا تھا اور دنیا اس کا وعظ سننے کے لیے جمع ہو جاتی تھی۔ انگلستان میں ملکہ وکٹوریہ کی حکومت تھی اور اب محمد احمد مہدی سوڈانی' ملکہ وکٹوریہ کی ہمسری کر رہا تھا۔

اب سوڈان میں ہر طرف قال اللہ وقال الرسولؐ کے چرچے تھے۔ جس جگہ مہدی نماز پڑھتا تھا وہاں ہزاروں انسان جمع ہو جاتے تھے اور جو لوگ مہدی کو شہرت ملنے سے پہلے بارہا دیکھ چکے تھے اب وہ بھی اس کو دیکھنے کے لیے دیوانہ وار آگے بڑھتے تھے اور بار بار دیکھنے کی خواہش اپنے دل میں رکھتے تھے۔

ہر طرف اللہ کے قانون کا دور دورہ تھا۔ غریبوں اور ناداروں کی بیت المال سے مدد کی جاتی تھی۔ لباس میں یک رنگی اختیار کی گئی تاکہ کوئی خود کو برتر نہ سمجھے۔ پورے سوڈان میں حنبلی' شافعی' حنفی اور مالکی مسالک کے لوگ آباد تھے۔ شادی بیاہ کی تقریب میں سادگی سے کام لیا جاتا تھا اور لوگوں کو منع کیا گیا کہ وہ شادی کی تقریبات میں زیادہ لوگوں کو کھانے کی دعوت نہ دیا کریں۔

رقص اور لہو لعب پر بڑی سختی سے بندش کی گئی۔

حج کعبہ کی ممانعت کر دی گئی کیونکہ اس سے اندیشہ تھا کہ وہ سوڈان کے جن لوگوں کی تربیت کر رہا ہے وہ دوران حج دوسروں سے ملیں جلیں گے تو ان کے مسلک اور عقائد میں تبدیلی آ جائے گی۔

جو شخص اس کی مہدویت پر شبہ کرتا' انکار کرتا یا شک و تردد کرتا تو اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جاتا۔ فرد جرم عائد کرنے کے لیے دو گواہوں کی شہادت حاصل کی جاتی۔

اس نے ان تمام کتابوں کو نذر آتش کر دیا جو اس کی تعلیمات کے منافی خیال کی گئیں۔ وہ اکثر کہتا رہتا تھا کہ وہ جو کچھ کرتا ہے وحی الٰہی کے مطابق کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ بہت جلد اس کی حکومت' دنیا بھر میں پھیل جائے گی اور بڑے بڑے ملوک و سلاطین اس کے سامنے اظہار عجز و نیاز مندی کریں گے۔

اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ عنقریب مکہ معظمہ' مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح کرے گا۔ اس کے بعد کوفے جائے گا اور اس نے یہ پیش گوئی بھی کی کہ جب وہ کوفے پہنچے گا تو اس کا پیمانہ حیات لبریز ہو جائے گا اور کوفہ اس کا مدفن بنے گا۔

لیکن ابھی خرطوم کی فتح کو چند ماہ گزرے تھے اور مہدی کی عمر کل پینتیس سال تھی اور وہ اپنے دینی معاملات میں سختی اختیار کیے ہوئے تھا کہ اچانک اسے شدید بخار چڑھا۔ بخار کی شدت تین دن تک عروج پر رہی پھر جسم پر چھوٹے چھوٹے دانے نمودار ہونے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا جسم دانوں سے بھر گیا یہاں تک کہ کئی کئی دانے مل کے ایک ہو

گئے۔ آنکھوں کے پپوٹوں پر بھی دانے تھے اور پپوٹوں کے اندر بھی۔ یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ مہدی چیچک کے مرض میں مبتلا ہے۔

چیچک کا کوئی علاج نہ تھا اور جو علاج کیا گیا اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ ۲۱ جون ۱۸۸۵ء کو مہدی کا اچانک انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت تینوں خلفا اور تمام اعیان دولت اس کے پاس تھے اور اس کے خلفا کے بقول جب مہدی کو یہ یقین ہو گیا کہ اب وہ دنیا سے کوچ کر جائے گا تو حاضرین کو پست آواز میں مخاطب کیا۔

"رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا' میں عبداللہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ جس طرح تم لوگوں نے میری اطاعت کی تھی اسی طرح عبداللہ کی اطاعت کرتے رہنا۔"

اس واقعہ فاجعہ سے شہر میں کہرام مچ گیا اور لوگ چیخنے چلانے لگے۔

عبداللہ نے لوگوں کو نالہ و بکا سے منع کیا اور کہا "شریعت میں میت پر رونے سے منع کیا گیا ہے۔"

مہدی کے رشتے دار احمد بن سلیمان نے اسی پلنگ کے نیچے قبر کھدوائی جس پر مہدی کی موت واقع ہوئی تھی۔ ام درمان میں مہدی کا مقبرہ بہترین سنگی عمارت تھا۔ اس کا سنگ بنیاد خلیفہ عبداللہ نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔ عبداللہ اس انبوہ کثیر کے ساتھ نیل کے کنارے گیا اور پتھروں کے ڈھیر میں سے ایک پتھر نکال کر اپنے کاندھے پر رکھا اور قبر تک لے آیا۔ اس کی پیروی میں ہر کوئی ایک ایک پتھر اٹھا کے اپنے کاندھے پر رکھنے لگا اور اسے اٹھا کر قبر تک لانے لگا۔ اس افراتفری میں بہت سے لوگ زخمی بھی ہوئے۔

خلیفہ نے لوگوں کو بتایا "مہدی نے اپنی آخری وصیت میں مجھ سے کہا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے' انگریزوں کو مصر سے نکال دینا۔ میں اس پر عمل کروں گا اور اللہ نے چاہا تو میں انگریزوں کو مصر سے نکال باہر کروں گا۔"

مہدی کی وفات کے بعد اس کے خلیفہ عبداللہ نے انکار مہدویت کی سزا موت قرار دی لیکن دو گواہیاں لازم قرار دیں۔

اتفاق کی بات کہ خاص ام درمان میں ایک شخص نے باتوں ہی باتوں میں ایک درویش سے کہہ دیا "کچھ بھی ہو محمد احمد کا یہ دعویٰ کہ میں مہدی ہوں' جھوٹا تھا۔ اگر وہ مہدی تھا تو اس کی یہ پیش گوئی درست ثابت ہونی چاہیے تھی کہ وہ مکہ معظمہ' مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح کر لے گا اور وہ کوفہ بھی فتح کر لے گا اور وہیں اس کی موت واقع ہو گی۔ اس کی یہ ساری پیش گوئیاں غلط ثابت ہوئیں اس لیے مجھے اس کی مہدویت سے انکار ہے۔"

درویش نے اس کی شکایت خلیفہ عبداللہ سے کر دی اور خلیفہ عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈلوا دیا اور قاضی کو بلوا کر اس سے مشورہ لیا "افسوس! اس شخص کے خلاف صرف ایک گواہی ہے۔ جب تک دو گواہیاں نہ ہوں اس کو سزا نہیں دی جا سکتی۔"

قاضی نے کہا "آپ فکر نہ کریں۔ آپ دو گواہیوں کی بات کرتے ہیں' ایک گواہی تو اس کے خلاف موجود ہے' میں دو گواہ اس کے خلاف اور پیدا کردوں گا۔"

قاضی نے دو آدمی بلوائے اور ان سے کہا "تم دونوں اسی وقت قید خانے میں مہدی کے منکر سے ملو اور اس سے اظہار ہمدردی کرو۔ اس سے کہو کہ جو کچھ اس نے درویش سے کہا تھا' تم دونوں کے سامنے کہہ دے۔ اس سچ کے صلے میں اس کو معاف کروا دیا جائے گا۔"

یہ دونوں قیدی سے ملے اور پوچھا "تم کو یہاں قید کیوں کیا گیا؟"

قیدی نے جواب دیا "جناب! میرے منہ سے ایک ایسی بات نکل گئی جس کی یہاں سزا موت ہے۔"

دونوں نے کہا "ہمیں معلوم ہے' تونے جناب مہدی کی مہدویت سے انکار کیا تھا۔ کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں اس کی سزا موت ہے؟" اس کے بعد دونوں نے قیدی کو تسلی دی اور کہا "جو کچھ تم نے کہا تھا اسے سچ سچ ہمارے سامنے دہرا دو۔ ہم تمہیں معافی دلوا دیں گے۔"

قیدی نے جو کچھ پہلے کہا تھا وہ دوبارہ دہرایا اور خوشامد کی "اب مجھے اس قید سے رہائی دلوا دی جائے۔"

اب قیدی کو عبداللہ اور درویش کی موجودگی میں قاضی کے سامنے پیش کیا گیا اور مقدمے کی کارروائی شروع ہو گئی۔ دونوں فرضی گواہ بھی حاضر ہو گئے۔

پہلی گواہی درویش نے دی۔

قاضی نے پوچھا "اس کے انکار مہدویت کا دوسرا گواہ ہے؟"

اب دونوں گواہ آگے بڑھے اور جو کچھ تخلئے میں قیدی نے ان دونوں سے کہا تھا' قاضی کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا " جناب ! اس نے ہم دونوں کے سامنے حضرت مہدی آخر الزماں کی مہدویت سے انکار کیا ہے۔"

قیدی نے کہا " لیکن تم دونوں نے تو مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تم میرے سچ بولنے کے صلے میں مجھے معافی دلوا دو گے اب اپنا وعدہ پورا کرو۔"

دونوں گواہوں نے بیک آواز کہا " ہمیں تو تجھ سے تیرے جرم کا اقرار کروانا تھا' سو کر وا لیا۔ تو منکر مہدویت ہے اس لیے تجھ کو تیرے جرم کی سزا ملنی چاہیے۔"

اب خلیفہ کی باری تھی۔ اس نے قیدی سے نہایت نرم اور ملائم لہجے میں کہا " اگر تم نے میری توہین کی ہوتی تو میں تم کو معاف کر دیتا لیکن تم نے حضرت مہدی علیہ اسلام کو جھوٹا خیال کیا اس لیے تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

قاضی نے اسے سزائے موت سنا دی۔ اسی وقت ایک نقارہ بجا اور اعلان کیا گیا " لوگ میدان میں آئیں اور منکر مہدی کا عبرتناک انجام دیکھیں۔"

تمام اہل شہر میدان میں جمع ہو گئے۔

اس کے بعد وہاں بھیڑ کی کھال زمین پر بچھائی گئی۔ عبداللہ اس کھال پر بیٹھ گیا۔ قاضی بھی اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ یہاں قیدی کو بھی لایا گیا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ملزم خوف زدہ ہو گا لیکن اس کے چہرے پر اطمینان جھلک رہا تھا اور وہ بہت مطمئن تھا۔

کچھ دیر ملزم خلیفہ عبداللہ کے سامنے کھڑا رہا۔ لوگوں کو جستجو تھی کہ دیکھئے خلیفہ عبداللہ اس ملزم کو چھوڑتا ہے یا قاضی کے فیصلے میں کسی قسم کی ترمیم کرتا ہے۔

خلیفہ عبداللہ نے ملزم سے کہا " قاضی کی سزا سے تجھ کو پاکی اور طہارت میسر آ جائے گی بشرطیکہ تو اب بھی تائب ہو جا ورنہ آخرت کا عذاب اس سزا کے علاوہ ہوگا۔"

ملزم نے مضبوط لہجے میں جواب دیا " مہدی کے بارے میں میں نے جو کچھ کہا وہ درست ہے مجھے جس حق گوئی پر قتل کیا جا رہا ہے' مجھے یقین ہے کہ اللہ جو حقیقی عادل و منصف ہے' وہ آخرت میں مجھے میری حق گوئی کا صلہ ضرور دے گا۔"

خلیفہ عبداللہ نے سر کے خفیف سے اشارے کی صورت میں حکم دیا کہ ملزم کو اس کے سامنے سے لے جا کر قتل کر دیا جائے۔

ملزم کو دو آدمی خلیفہ عبداللہ کے سامنے سے ہٹا کر تقریباً سو قدم دور لے گئے۔ وہاں ایک درخت کی آڑ سے ایک بھیانک آدمی نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی یہ جلاد تھا۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں خلیفہ عبداللہ کی آواز سنائی دی۔ وہ جلاد کو حکم دے رہا تھا " احمد والیہ! تو اپنی خدمت انجام دے۔"

احمد والیہ کا ہاتھ بلند ہوا اور اس کے ہاتھ کی تلوار ملزم کا سر قلم کر کے دوسری طرف نکل گئی اور بے سر کا لاشہ زمین پر پھڑکنے لگا۔ اور اس طرح خلیفہ عبداللہ اور اس کے متبعین کے خیال میں ایک منکر مہدی کیفر کردار کو پہنچا۔

○☆○

لارڈ ویلزلی کی ناکامی کے بعد سوڈان اور سواکن کا علاقہ لارڈ کچز کے حوالے کیا گیا۔ اس نے مصری حکومت کی مدد سے سواکن اور بربر میں درویشوں کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔

مہدی سوڈانی کے بعد اس کا جانشین بھی اسی جیسا ہونا چاہئے تھا۔ اتنا ہی اولوالعزم' راسخ العقیدہ' دلوں کو موہ لینے والا اور اوصاف حمیدہ کا حامل لیکن خلیفہ عبداللہ میں یہ خوبیاں نہیں تھیں۔ اس نے جو روش اختیار کی تھی اور جس طرح مہدویت کی تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا تھا اس سے اپنوں ہی میں نفرت و بیزاری کی لہر دوڑ گئی۔

ایک مسلسل اور متواتر جنگی سلسلے کا آغاز ہوا اور درویشوں کو ہر محاذ پر شکست ہونے لگی۔ سواکن بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور بربر بھی چھن گیا۔ لارڈ کچز خرطوم کی طرف بڑھا اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ فشودہ اور ام درمان پر گولہ باری شروع کر دی گئی۔

ام درمان میں مہدی سوڈانی کا مقبرہ لاکھوں انسانوں کے لیے مرجع خاص و عام بنا ہوا تھا۔ لارڈ کچز کی نگاہیں مسلسل اس مقبرے پر تھیں۔ چودہ سال سے یہاں مہدی آسودۂ خاک تھا۔

مصری حکومت نے لارڈ کچز کو یہ بتایا تھا کہ جب تک ام درمان میں مہدی سوڈانی کا مقبرہ موجود ہے' درویشوں میں اس کی وجہ سے جذبہ اور جوش موجود رہے گا۔

لارڈ کچز نے اس مقبرے کو نشانہ بنایا اور اس پر مسلسل

گولہ باری کرتا رہا۔ درویشوں نے اس کو بچانے کی بڑی کوشش کی مگر نہ بچا سکے اور لارڈ کچز قتل عام کرتا ہوا مہدی کے مقبرے تک پہنچ گیا۔ انگریزی اور مصری فوجیں زخمی درویشوں کے پاس سے گزرتیں تو یہ زخمی شدت پیاس سے العطش العطش کی آوازیں بلند کرتے لیکن لارڈ کچز کو ان پر رحم نہ آیا۔

راستے میں وہ جس آبادی سے بھی گزرا' کتابیں جلوا دیں' لائبریریوں کو تباہ کر دیا گیا کیونکہ اسے بتایا گیا تھا کہ جب تک یہ کتابیں موجود ہیں' درویش ان سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔

لارڈ کچز کو مہدی کے مقبرے کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ مقبرے سے مہدی کی لاش نکالی جائے۔

مقبرے کو کھود ڈالا گیا اور اس میں سے مہدی کا ہڈیوں کا پنجر باہر نکالا گیا۔ اس وقت لارڈ کچز کو جنرل گارڈن کی بے بسی اور موت یاد آ رہی تھی۔ اس نے مہدی کے سر کو الگ کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور بقیہ حصے کو ٹکڑے ٹکڑے کروا کے دریائے نیل میں پھنکوا دیا۔ مقبرے کی عمارت کو گروا دیا گیا۔

لارڈ کچز کی اس سفاکی کو کسی نے بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔

لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ لارڈ کچز مہدی سوڈانی کے سر کے ساتھ کیا سلوک کرے گا لیکن کچھ عرصے بعد لوگوں کو معلوم ہوا کہ لارڈ کچز نے مہدی سوڈانی کا یہ سر جنرل گارڈن کے بھتیجے کو بطور تحفہ دیا تھا۔ جنرل گارڈن کا بھتیجا برطانوی فوج میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔

ایک اخباری نامہ نگار کا بیان تھا کہ جب لارڈ کچز ام درمان میں داخل ہوا تو وہاں متواتر تین دن تک شہریوں کا قتل عام کرواتا رہا۔ آبادی سے قرآن پاک اور تمام دوسری کتابیں چھین لی گئیں اور انہیں نذر آتش کر دیا گیا۔ ہزاروں زخمی میدان جنگ میں پڑے سسکتے رہے حالانکہ مرہم پٹی کر کے ان کی جانیں بچائی جا سکتی تھیں مگر اکیسویں لانسرز پلٹن کی ایک کمپنی کو حکم دیا گیا تھا کہ تمام زخمیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل اس طرح ہوئی کہ برطانوی فوج نے برچھوں' تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں کی مدد سے ان زخمیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔

یہ تمام خبریں انگلستان پہنچیں تو منصف مزاج لوگوں نے لارڈ کچز پر اعتراضات کیے۔ ان منصف مزاجوں کے خیال میں لارڈ کچز کو زخمیوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا جو اس نے کیا تھا اور کتابوں کو ہرگز نہیں جلانا چاہیے تھا۔ یہ لوگ لارڈ کچز سے یہ بھی پوچھ رہے تھے کہ مہدی سوڈانی کے مقبرے کی عمارت گرا دینے سے اس کو کیا فائدہ پہنچا۔ اسی طرح مہدی سوڈانی کی لاش کو مقبرے سے نکال کے اس کا سر اتار کے جنرل گارڈن کے بھتیجے کو بطور تحفہ پیش کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟ مہدی سوڈانی کے بقیہ جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھنکوا دینے سے کیا حاصل ہوا؟

ان انصاف پسندوں کی نظروں میں مہدی سوڈانی تاریخ کا ایک بڑا آدمی تھا جس نے بے یارو مددگاری کی حالت میں مصر اور برطانیہ کا مقابلہ کیا اور ان دونون طاقتوں کو سوڈان سے بے دخل کر دیا۔ مرنے کے بعد اس کی لاش سے انتقام لینا کہاں کی بہادری ہے؟

لارڈ کچز ان اعتراضات کو لوگوں سے سنتا اور اخبارات میں پڑھتا رہا اور آخر میں ایک اعلان کے ذریعے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی صفائی پیش کی۔

اس نے لکھا " مجھ پر یہ الزام عائد کیے گئے ہیں۔

۱۔ میرے زیر فرمان برطانوی اور سوڈانی فوجیوں نے زخمی درویشوں کو قتل کیا اور ایسے وقت میں غیر مسلح درویشوں کی جان لی جب کہ ان کو نقصان پہنچانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

۲۔ ام درمان پر قابض ہو جانے کے بعد وہاں تین دن تک لوٹ مار جاری رکھی۔

۳۔ جب فوجیں تیزی کے ساتھ ام درمان کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنگی جہازوں نے بازاروں کے پناہ گزین ہجوم پر آتش باری کی۔

۴۔ مہدی کی لاش مقبرے سے نکالی گئی' اس کا سر کاٹ کے جنرل گارڈن کے بھتیجے کو بطور تحفہ پیش کیا گیا اور اس کے پنجر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھنکوا دیا گیا۔"

لارڈ کچز نے ان الزامات کا ذکر کرنے کے بعد اپنے ہم عصر دوسرے لارڈ سالسبری کو لکھا " ام درمان کی جنگ کے بعد میں نے سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر یہی مناسب خیال کیا کہ مہدی کے مقبرے کو تباہ کر دیا جائے کیونکہ یہ مقبرہ زیارت گاہ

بن گیا تھا اور مجنونانہ جذبات کا مرکز تھا۔ یہ مقبرہ گولہ باری کی وجہ سے پہلے ہی تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو اس کی خطرناک حالت کے پیش نظر اس کو تڑوا دیا۔ اگر اس کو اسی حال میں چھوڑ دیا جاتا تو اس سے دوسروں کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

" مقبرے کو گرانے کا کام میری عدم موجودگی میں ہوا۔ مہدی کی ہڈیاں بھی میری عدم موجودگی میں دریائے نیل میں پھینکی گئیں اور اس کی کھوپڑی بھی ایک دوسری جگہ میری خدمت میں پیش کی گئی۔

" جب ام درمان فتح ہو گیا تو مصری افواج کے مسلمان افسروں نے مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ مہدی کی لاش کو مقبرے سے منتقل کر دینا مناسب ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو جاہل سوڈانی یہ سمجھیں گے کہ مہدی کے تقدس اور کرامت نے ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا۔

" مجھے یقین ہے کہ ہر وہ مسلمان جو ہمارے ملک انگلستان میں رہتا ہے' ہمارے اس اقدام سے خوش بھی ہو گا اور مطمئن بھی کہ ہم نے مہدی کی ساری قوت کچلنے کے بعد اس کے مذہب کو بھی بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔"

○☆○

ٹھیک چودہ پندرہ سال کے بعد یورپ میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی۔ روس نے برطانوی حکومت سے ایک تجربہ کار جنگی ماہر کی مدد مانگی۔ یہ راز انتہائی پوشیدہ رکھا گیا اور حکومت برطانیہ نے اس کام کے لیے لارڈ کچز کا انتخاب کیا اور اسے ایک بحری جہاز کے ذریعے لندن سے روانہ کر دیا گیا۔

لارڈ کچز کی جہاز میں موجودگی کو جہاز کے عملے سے بھی چھپایا گیا تھا۔

ابھی یہ جہاز پندرہ سولہ میل کا فاصلہ طے کر سکا تھا کہ دشمن کی آبدوز نے جہاز کے پرخچے اڑا دیے اور لارڈ کچز کی لاش بھی مہدی سوڈانی کی طرح چیتھڑوں کی شکل میں سمندر میں گم ہو گئی۔

مہدی سوڈانی کا ایک مقبرہ تھا اور وہ آخری آرام گاہ آج بھی موجود ہے گو کہ مہدی سوڈانی کا جسم وہاں موجود نہیں ہے۔ وہ دریائے نیل کے میٹھے پانی میں غرق کر دیا گیا مگر لارڈ کچز کی کوئی آخری آرام گاہ اس دنیا میں نہیں ہے ------ اور اس کی موت کھارے پانی کے سمندر میں واقع ہوئی۔ اگر اس کے گوشت کے ٹکڑے سمندر میں منتشر بھی ہوئے ہوں تو وہ آبی مخلوق کی غذا بن گئے ہوں گے۔

لیکن مہدی سوڈانی کی ہڈیاں آج بھی دریائے نیل کی تہہ میں کہیں موجود ہو سکتی ہیں۔

لارڈ کچز کی زندگی کا خاتمہ ۱۹۱۶ء میں ہوا۔

مضمون کے ماخذ

مشاہیر مشرق (جرجی زیدان)

محاربات مصر و سوڈان (مطبوعہ دہلی)

حیات لارڈ کچز (سر جارج آرتھر)

(شکریہ سسپنس ڈائجسٹ)

ضرورت شیخ

ضرورت شیخ کے سلسلے میں ایک سوال بعض ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ جب کتب تصوف میں ہر قسم کے اذکار و وظائف اور ان کے پڑھنے کے طریقے درج ہیں تو ان پر عمل کر کے انسان کامل بن سکتا ہے۔ پھر شیخ کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں ہر قسم کے نسخہ جات، طریق علاج، وزن ادویہ اور طریق استعمال موجود ہے۔ پھر کسی ماہر طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کسی معقول آدمی کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں۔ آخر اس کی وجہ؟ وجہ صرف یہی ہے کہ جان عزیز ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ طب کی کتابوں اور اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ اچھی طرح چھان بین کر کے کسی ماہر طبیب کو تلاش کیا جائے اور اسی سے علاج کرایا جائے۔

اسی طرح اگر ایمان عزیز ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی معالج روحانی کو تلاش کرے۔ کیونکہ روحانی طبیب کے بغیر روحانی صحت اور تزکیۂ باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے۔ دلائل السلوک

(حضرت مولانا اللہ یار خانؒ)